مبدأ و معاد
از
امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی
قدس سرہ
مع اردو ترجمہ
باہتمام
ادارہ مجددیہ، ۲/۵، ای، ناظم آباد ۳، کراچی

إِنَّ هَٰذِهِ تَذْكِرَةٌ فَمَن شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا

الحمد للہ کہ رسالۂ شریفہ

مبدأ و معاد

مصنفہ

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی نقشبندی سرہندی قدس سرہ

مع اردو ترجمہ

از حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب نقشبندی مجددی رحمۃ اللہ علیہ

مؤلف عمدۃ السلوک، عمدۃ الفقہ وغیرہ

۱۴۰۲ھ — باہتمام — ۱۹۸۲ء

ادارۂ مجددیہ۔ ناظم آباد ۳ ۔ کراچی ۱۸

مطبوعہ احمد برادرس پرنٹرس۔ ناظم آباد ۲ کراچی ۱۸

15/-

عرضِ ناشر

الحمدللہ کہ اس عاجز کو امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہ کے رسالہ "مبدا و معاد" مع اردو ترجمہ از حضرت مولانا و مرشدنا سید زوار حسین شاہ صاحب علیہ الرحمہ کے شائع کرنے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔ حق سبحانہ وتعالیٰ اس کوشش کو قبول فرمائے اور مسلمانوں کے لیے نفع بخش ثابت ہو، آمین

احقر محمد اعلیٰ قریشی عفی عنہ

ادارۂ مجددیہ

۲/۵ - ایچ - ناظم آباد ۳ کراچی

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

افتتاحیہ

حضرتِ حق سبحانہ جل وعلا شانہٗ کا بے حد و بے انتہا شکر و احسان ہے کہ اُس نے مجھ ناچیز کو امامِ ربانی محبوبِ صمدانی مجدد الفِ ثانی حضرت شیخ احمد فاروقی نقشبندی سرہندی قدس سرہ السامی کے اِس خصوصی رسالہ "مبدأ و معاد" کے ترجمے کی توفیق بخشی،
دعا ہے کہ حضرت موصوف قدس سرہ کے بقیہ رسائل و مکتوبات شریف کے ترجمہ کرنے کی سعادت بھی عطا فرمائے، آمین۔

اس رسالہ میں حضرت مجددِ الفِ ثانی قدس سرہ العزیز نے اسرار و رموز کے وہ لطیف اشارات بیان فرمائے ہیں جن کو سمجھنا عوام تو عوام اخص الخواص کے لئے بھی مشکل ہے مگر یہ کہ حق سبحانہ و تعالیٰ کا اپنے کسی بندۂ خاص پر فضل ہو جائے اور اس کو کسی قدر علم و بصیرت بھی عطا فرمائے تو وہ کچھ سمجھ سکتا ہے،
بہر حال اس رسالہ کی تصحیح و ترجمہ کرنا بہت مشکل کام تھا لیکن محبی جناب حاجی محمد اعلیٰ صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ کے پیہم اصرار کی بنا پر اس عاجز نے اردو میں

ترجمہ کرنے کا ارادہ کرلیا۔ اب اللہ تعالیٰ کے فضل و تائید سے یہ رسالہ مع اردو ترجمہ بحسن و خوبی نہایت اہتمام کے ساتھ ادارۂ مجددیہ ناظم آباد کراچی سے شائع کیا جارہا ہے۔

دراصل یہ رسالہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے متفرق مضامین کا مجموعہ ہے جن کو حضرت ممدوح نے خواجۂ خواجگان حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کی خدمت میں سنہ ۱۰۰۸ھ میں حاضر ہوکر طریقۂ نقشبندیہ کے حصول اور تقریباً دس سال بعد تک کے بعض کشف و حقائق کے وصول کے اظہار میں وقتاً فوقتاً تحریر یا بیان فرمایا تھا۔ اس کے بعد حضرت ممدوح کے خلیفہ حضرت مولانا محمد صدیق کشمی رحمہ اللہ نے ان مضامین کو سنہ ۱۰۱۹ھ میں مرتب فرمایا اور ان کو منہا کا عنوان دے کر ایک دوسرے سے ممتاز کیا جن کی مجموعی تعداد اکثر مطبوعہ نسخوں کے مطابق اکسٹھ ہوتی ہے۔ حضرت مولانا حافظ محمد ہاشم جان صاحب مجددی مدظلہ العالی (ٹنڈو سائیں داد، حیدرآباد) کے قلمی نسخے میں منہا ۴۷ کے درمیانی حصہ میں مزید ایک اور منہا کا عنوان درج ہے اور حضرت مولانا نور احمد مرحوم کے مطبوعہ نسخہ میں بھی بالکل اسی جگہ منہا کا اشارہ موجود ہے، اس حساب سے منہا کی تعداد باسٹھ ہوجاتی ہے لیکن طاق عدد کے استحباب کا لحاظ رکھتے ہوئے دیگر مطبوعہ نسخوں کے مطابق منہا کی تعداد اکسٹھ ہی رکھی گئی ہے۔

کتاب کے شروع میں مبدأ و معاد کا اصل فارسی متن پیش کیا گیا ہے اور اس میں کسی حشو و زوائد کا اضافہ نہیں کیا۔ اس کے بعد مسلسل ترجمہ ہے اور مطابقت کے لئے اردو ترجمہ کے حاشیے پر فارسی متن کے صفحات

دیدیئے ہیں تاکہ اگر کہیں شبہ ہو اور اصل عبارت دیکھنے کی ضرورت پیش آئے تو فوراً صفحہ نکال کر دیکھ سکیں۔ مزید وضاحت کے لئے ترجمہ میں جگہ جگہ ذیلی عنوانات دیدیئے گئے ہیں۔ اشعار کا ترجمہ بھی اشعار ہی میں کر دیا گیا ہے اور بعض بزرگوں کے حالات بھی مختصر طور پر حاشیہ میں درج کر دیئے ہیں۔ غرضیکہ عاجز نے ترجمہ کرنے میں پوری احتیاط سے کام لیا ہے اور ترجمہ کو زیادہ سے زیادہ سہل اور شگفتہ کرنے کی کوشش کی ہے۔

اس وقت میرے سامنے مبدأ و معاد کے پانچ نسخے موجود ہیں جن میں ایک مخطوطہ ہے اور چار مطبوعہ۔ پہلا نسخہ جو مخطوطہ ہے حضرت مولانا حافظ محمد ہاشم جان صاحب مجددی نقشبندی مدظلہ العالی (ٹنڈو سائیں داد) سے حاصل کیا گیا ہے، دوسرا نسخہ مطبع انصاری دہلی ۱۳۰۷ھ کا مطبوعہ ہے جو مولانا محمد عبدالحلیم صاحب چشتی سے دستیاب ہوا ہے۔ تیسرا نسخہ مطبع مجددی امرتسر ۱۳۳۰ھ کا مطبوعہ ہے جو حضرت مولانا نور احمد مرحوم کا تصحیح کردہ ہے یہ نایاب نسخہ حضرت مولانا محمد عبدالرشید صاحب نعمانی سے حاصل کیا گیا ہے، چوتھا نسخہ حکیم عبدالمجید سیفی مرحوم لاہور ۱۳۶۱ھ کا مطبوعہ ہے اور پانچواں نسخہ ادارۂ مجددیہ سعدیہ لاہور ۱۳۸۵ھ کا مطبوعہ ہے جو حضرت مولانا محبوب الٰہی صاحب کا تصحیح کردہ ہے۔

ان پانچ نسخوں سے حتی الامکان استفادہ کی کوشش کی گئی ہے اور جس نسخے کا جو لفظ صحیح معلوم ہوا اس کو اصل عبارت میں درج کر دیا گیا ہے اور اختلافی الفاظ کو حاشیہ پر مع حوالہ ظاہر کر دیا گیا ہے۔ اور ان پانچوں نسخوں کے اختلاف کو چند حروف میں اس طرح واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ حضرت

مولانا حافظ محمد ہاشم جان صاحب مدظلہ العالی والے نسخے کے الفاظ کو ش سے ظاہر کیا گیا ہے اور مطبع انصاری والے الفاظ کو ص سے اور مولانا نور احمد مرحوم والے نسخے کے الفاظ کو ن سے اور حکیم عبد المجید سیفی مرحوم والے نسخے کے الفاظ کو ح سے اور مولانا محبوب الٰہی صاحب والے نسخے کے الفاظ کو م سے واضح کیا گیا ہے۔ امید ہے کہ ناظرین کرام اس سعی کو پسند فرمائیں گے۔

ان تمام خوبیوں کے پیش نظر قارئین کرام خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ادارہ کی یہ سعی سابقہ کوششوں کے مقابلے میں کیا حیثیت رکھتی ہے اور اس کا مقام دوسروں کے مقابلہ میں کس قدر امتیاز کا حامل ہے۔ اس کے باوجود قارئین کرام سے درخواست ہے کہ اگر سہواً کوئی غلطی رہ گئی ہو تو اس سے مطلع فرمائیں۔ حق سبحانہ وتعالیٰ اس کوشش کو قبول فرمائے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

کتاب ہذا کے قلمی ومطبوعہ نسخے مہیا کرنے والے حضرات اور ترجمہ وتصحیح ونشر واشاعت میں معاونت کرنے والے حضرات کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے دائمی سعادتوں اور ظاہری وباطنی ترقیات سے نوازے آمین۔ ادارہ ان سب حضرات کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہے۔

احقر الانام

خاکسار تنویر حسین غفر اللہ لہ وعفاعنہ

۱۲ ربیع الاول ۱۴۰۸ھ

وکان اللہ لہ ولوالدیہ

[illegible]

بامداد یزدانی　　بسم الله الرحمن الرحیم　　و بفضل رحمانی
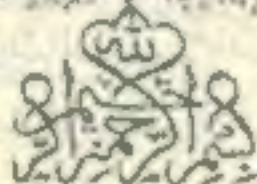
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فِی الْمَبْدَأِ وَالْمَعَادِ وَاُصَلِّیْ عَلٰی حَبِیْبِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهِ الْاَمْجَادِ اَمَّا بَعْدُ فَهٰذِهٖ رِسَالَةٌ شَرِیْفَةٌ مُتَضَمِّنَةٌ لِاِشَارَاتٍ لَطِیْفَةٍ رَائِقَةٍ وَّاَسْرَارٍ دَقِیْقَةٍ فَائِقَةٍ لِلْاِمَامِ الْهُمَامِ حُجَّةِ اللّٰهِ عَلَی الْاَنَامِ مُقْتَدَی الْاَقْطَابِ وَالْاَوْتَادِ وَقِبْلَةِ الْاَبْدَالِ وَالْاَفْرَادِ كَاشِفِ اَسْرَارِ السَّبْعِ الْمَثَانِیْ اَلْمُجَدِّدِ لِلْاَلْفِ الثَّانِیْ اَلْاُوَیْسِیِّ الرَّحْمَانِیِّ الْعَارِفِ الرَّبَّانِیِّ شَیْخِ الْاِسْلَامِ وَالْمُسْلِمِیْنَ شَیْخِنَا وَاِمَامِنَا الشَّیْخِ **اَحْمَدَ** الْفَارُوْقِیِّ نَسَبًا وَالْحَنَفِیِّ مَذْهَبًا وَالنَّقْشْبَنْدِیِّ مَشْرَبًا لَازَالَ شُمُوْسُ هِدَایَتِهٖ عَلٰی اُفُقِ الْعُلٰی سَاطِعَةً وَّالنَّاسُ فِیْ رِیَاضِ اِفَاضَتِهٖ رَاتِعَةً وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ وَعَلَیْهِ التُّكْلَانُ۔

۱۔ **مِنْهَا** چوں ایں درویش را ہوسِ ایں راہ پیدا شد۔ عنایتِ خداوندی جَلَّ سُلْطَانُهٗ اورا بیکے از خلفائے خانوادۂ حضراتِ خواجہا قَدَّسَ اللّٰهُ تَعَالٰی اَسْرَارَهُمْ رسانید۔ و ازاں جا طریقۂ ایں بزرگواران را اخذ کردہ، ملازمِ صحبتِ آں عزیز گشت۔ ببرکتِ توجہ

له [illegible] الذی انعم علینا وهدانا الی الاسلام وجعلنا من امة محمد علیه الصلوة والسلام اما بعد فهذه معارف علیه منتخبة من الانفاس القدسیة للامام الهمام قدوة الاولیا والاصفیا [illegible] الاقطاب والابدال [illegible] الاوتاد والافراد

آں بزرگ، جذبۂ توجہ کہ از جہت نسبت در صفت قیومیت می خیزد،
اورا حاصل گشت۔ و در طریق اندراج نہایت در بدایہ نیز ترقی میسر
شد بعد از تحقق این جذبہ کہ او بسلوک قرار یافت۔ و در این راہ
از تربیت روحانیت اسد اللہ الغالب کرم اللہ تعالی وجہہ تا نہایت
رسانید یعنی تا سیر کردن ولایت۔ و در آں اسم بالاجمال ولی کہ
مختص بمحمد است علی صاحبہا الصلوۃ والسلام والتحیۃ
مدد از روحانیت حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ تعالی سرہ
عروج نمود۔ و از آن جا بامداد روحانیت حضرت فاروق رضی اللہ
تعالی عنہ فوق آن قابلیت استعداد میسر شد۔ و از آن جا بمقامے
کہ فوق آن قابلیت است، و آن قابلیت مخصوص است، مر آن
مقام را و آن مقام اجمال ولایت۔ و آن مقام مقام اقطاب محمدیہ است
بترتیب روحانیت حضرت رسالت خاتمیت علی صاحبہا الصلوۃ
والسلام والتحیۃ ترقی واقع شد و در وقت وصول بآن مقام
معنوی امداد از روحانیت حضرت خواجہ علاؤ الدین عطار کہ خلیفۂ
حضرت خواجہ نقشبند است قدس اللہ تعالی اسرارہما، و قطب ارشاد
است بآن درویش رسید، نہایت عروج اقطاب تا این مقام است۔
و دائرۂ ظلیت تا ہمین مقام منتہی می شود۔ بعد از این اصل خالص است یا
ممتزج بظل۔ و آحاد افراد بوصول این دولت ممتاز اند۔ بعضے از اقطاب را
بواسطۂ مصاحبت افراد تا مقام ممتزج عروجے واقع می شود۔ ناظر اصل

ذوقی در خود می یافت. و صلاة آن را معلوم خود نداشت. و نیز این درویش را در توفیق عبادات نافله خصوصاً در ادای صلوات نافله مددی زبده وسیع است. و پیر بزرگوار او را این سعادت از شیخ خود که در سلسله چشتیه بوده اند حاصل شده بود.

و ابتدای این درویش را علم لدنی از روحانیت حضرت خضر علی نبینا و علیه الصلوة والسلام و التحیة حاصل شده بود لیکن تا زمانی که از مقام اقتباس نگذشته بود. بعد از عبور از آن مقام و حصول ترقیات در مقامات عالیه اخذ علوم از حقیقت خود است، و در خود بخود از خود می یابد غیری را مجال نمانده است تا درمیان درآید.

و ابتدا آن درویش را در وقت نزول که عبارت از سیر عن الله بالله است بمقامات مشائخ سلاسل دیگر هم عبوری واقع شد. و از هر مقام نصیبی وافر گرفت. و مشائخ آن مقام ممد و معاون کار درویش شدند و از خلاصه های نسبت خود نصیبی ارزانی داشتند. و چون بمقام اکابر چشتیه قدس الله تعالی اسرارهم عبوری واقع شد، و از آن مقام حظی وافر نصیب گشت. و از آن مشائخ عظام روحانیت حضرت خواجه قطب الدین بیشتر از دیگران امداد فرمود. و الحق ایشان در آن مقام شأنی عظیم دارند و رئیس آن مقام اند.

بعد از آن بمقام اکابر کبرویه قدس الله تعالی اسرارهم گذری واقع شد. این هر دو مقام باعتبار عروج برابرند. لیکن این مقام در وقت

دارند۔ آنچہ ایشان را دریں مقام میسر شدہ است در مقامات دیگر گرچہ باعقب عروج فوق نیز میسر نیست۔

بعد ازاں بمقام جذبہ فرود آوردند۔ و ایں مقام جامع مقاماتِ جذباتِ بے اندازہ است۔ ازاں جانیز فرود آوردند۔ بحسبِ مراتبِ نزول تا مقامِ قطب است کہ حقیقتِ جامعہ است۔ وارشاد و تکمیل بفرود آوردن بایں مقام تعلق دارد۔ دریں مقام فرود آوردند۔ پیش ازاں کہ دریں مقام تمکنے میسر شود، بار عروجے واقع شد۔ ایں زمان اصل نیز بیدرنگ ظل وا نگذاشت۔ ازیں عروج کہ در مقام قلب واقع شد تمکین موہبت و السلام۔

۲- منہا قطبِ ارشاد کہ جامع کمالاتِ فردیت نیز باشد بسیار عزیز الوجود است۔ و بعد از قرونِ بسیار و ازمنۂ بے شمار ایں قسم گوہرے بظہور می آید و عالم ظلمانی از نورِ ظہورِ او نورانی می گردد و نورِ ارشاد و ہدایتِ او شاملِ تمام عالم ست۔ از محیطِ عرش تا مرکزِ فرش ہر کسے را کہ رشد و ہدایت و ایمان و معرفت حاصل می شود از راہِ او می آید و از او مستفاد می گردد۔ بے توسطِ او ہیچ کس بایں دولت نمی رسد۔ مثلاً نورِ ہدایتِ او در رنگِ دریائے محیط تمام عالم را فرا گرفتہ است۔ و آں دریا گویا منجمد است کہ اصلاً حرکت ندارد۔ شخصے کہ متوجہ آں بزرگ است و با او اخلاص دارد، یا آنکہ آں بزرگ متوجہ حالِ طالبے شدہ، در وقتِ توجہ گویا روزنے در دلِ طالب کشادہ می شود۔

واین نظر غائب آمده بود بجد بجد خود را بے مناسبت تام باری وضع می یافت۔ درین اثنا بحکم "وَ اصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ" این دُور افتادہ را از خاکِ مذلت بر داشتند۔ و این ندا در سِرّ او در دادند که "عَمَرْتُكَ وَلِتَعْمَلَ بِيْ وَبِوَاسِطَتِكَ أُخْبِرُوا بِطُرُقِ الْهُدٰى وَبِكَ" ربّ بمعنی و قند بحکمگی نِسب ربیب ماند۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ سُبْحَانَهٗ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيْهِ مُبَارَكًا عَلَيْهِ كَمَا يُحِبُّ رَبُّنَا وَيَرْضٰى۔ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ كَمَا يَحْرِیْ۔ بعد ازاں بافشائے این واقعہ مامور ساختند

اگر بادشہ بر در پیر زن	بیاید تو اے خواجہ سبلت مکن

اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ۔

۶۔ **منها** سیر الی اللہ عبارت از سیر یا ئے است از اسمائے الٰہی جل شانہ کہ مبدأ تعین سالک است۔ و سیر فی اللہ عبارت از سیر دراں اسم است۔ اِلٰى اَنْ يَّنْتَهِيَ اِلٰى حَضْرَةِ الذَّاتِ الْاَحَدِيَّةِ الْمُجَرَّدَةِ عَنْ اِعْتِبَارِ الْاَسْمَاءِ وَالصِّفَاتِ وَالشُّؤُنِ وَالْاِعْتِبَارَاتِ۔ و این تفسیر بر تقدیرے راست آید کہ مراد از اسم مبارک "اللہ" مرتبہ وجوب داشتہ شود کہ مستجمع اسماء و صفات است۔ و اگر مراد ازیں اسم مبارک "اللہ" ذات بحت بودہ باشد پس سیر فی اللہ بمعنی مذکور داخلِ سیر الی اللہ باشد۔ و سیر فی اللہ

اصلا برین تقدیر محقق نشود. چه این سیر که در نهایت بحث در نقطۀ نهایت النهایات متصور گشت وبعد از رسیدن بآن نقطه بے توقف رجوع بعالم است که معبّر بسیر عن الله بالله است. این معرفتے است که مخصوص باصحاب نهایۀ النهایات است غیر این درویش از ولی ها هیچ کس باین معرفت تکلم نکرده است. اَللّٰهُ يَجْتَبِيْ إِلَيْهِ مَنْ يَّشَاءُ. وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ مُحَمَّدٍ وَّآلِهٖ أَجْمَعِيْنَ.

۷. **منها** در سیر کمالات ولایت افراد امم متفاوت اند. جمعے باشند که استعداد حصول یک درجه از درجات ولایت دارند و بعضے دیگر استعداد دو درجه دارند. و طائفه را استعداد سه درجه است. وگروهے را نصیب چهار درجه. و قلیلے باشند که مستعد پنج درجه باشند. وَهُمْ لَا يُعَدُّوْنَ. حصول درجۀ اولیٰ از درجات پنجگانه وابسته بتجلی افعال است و درجۀ ثانی منوط بتجلی صفات. و درجات ثلثۀ اخیره مربوط بتجلیات ذاتیه علی تفاوت درجاتها. یکے از یاران این درویش مناسبت بدرجۀ ثالثه دارد از درجات مذکوره. و قلیلے را مناسبت بدرجۀ رابعه. و اندکے را مناسبت بدرجۀ خامسه که نهایت درجات ولایت است. و ما یکه نزد این درویش معتبر است ماورای این درجات است. بعد از زمان صحابۀ کرام رضوان الله تعالیٰ علیهم اجمعین این کمال ظهور یافته است که فوق کمال جذبه و سلوک است. فردا ان شاء الله تعالیٰ این کمال در حضرت مهدی ظهور خواهد یافت.

وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَیْرِ الْبَرِیَّةِ۔

۸۔ **منہا** واصلانِ نہایۃ النہایہ را در وقتِ رجوعِ قہقری نزول باسفلِ غایات ست۔ ومصداقِ وصولِ نہایۃ النہایۃ ہمیں نزولِ غایۃ الغایۃ است۔ وچوں نزول باین خصوصیت واقع می شود صاحبِ رجوع بکلیتِ خود متوجہ عالمِ اسباب می گردد۔ نہ آنکہ بعضِ او متوجہ جنابِ حق ست سبحانہ، وبعضِ دیگر متوجہ خلق، کہ این علامت عدمِ وصول است بنہایۃ النہایۃ، وعدمِ نزول ست بغایۃ الغایۃ۔ غَایَۃُ مَافِی الْبَابِ در وقتِ ادائے نماز کہ معراجِ مومن ست، لطائفِ صاحبِ رجوع را توجہِ خاص بجنابِ قدس جل سلطانہ می افتد، وبادائے نماز می انجامد، بعد از فراغِ نماز باز بکلیت متوجہ خلق می گردد۔ لیکن در وقتِ ادائے فرض وسنن لطائف بستہ متوجہ جنابِ قدس می گردند، ودر وقتِ ادائے نوافل [illegible] این لطائف متوجہ، مرتفع۔ حدیثِ لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ تواند بود کہ اشارت باین وقتِ خاص باشد کہ مخصوص بنماز است، وقرینہ بر تعینِ این اشارت حدیثِ قُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ تواند بود۔ وعلاوہ این قرینہ کشفِ صحیح است والہامِ صریح۔ این معرفت از معارفِ مخصوصہ این درویش است۔ مشائخ این کمال را در جمع بین التوجہین دانستہ اند۔ وَالْاَمْرُ عِنْدَ اللّٰہِ سُبْحَانَہٗ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَۃَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ اَتَمُّھَا وَاَکْمَلُھَا۔

۹- منہا مشائخ فرمودہ اند کہ مشاہدۂ اہل اللہ بعد از وصول بمرتبۂ ولایت در انفس ست مشاہدۂ آفاقی کہ در سیر الی اللہ در اثنائے راہ میسر شدہ بود خبر نیست۔ و آنچہ برایں درویش منکشف گردانیدہ اند آن ست کہ مشاہدہ در نفس نیز در رنگ مشاہدہ در آفاق معتبر نیست۔ آن مشاہدہ نہ مشاہدۂ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ بے چون و بے چگونہ است۔ در آئینۂ چون گنجائش ندارد، چہ آئینۂ آفاق و چہ آئینۂ نفس۔ او سبحانہ نہ داخل عالم است و نہ خارج۔ نہ متصل است بعالم و نہ منفصل از عالم، شہود و رؤیت او تعالیٰ نیز نہ در عالم ست و نہ در خارج عالم، نہ اتصال بعالم دارد و نہ انفصال از عالم، لہٰذا رؤیت اخروی را بلا کیف گفتہ اند و از حیطۂ عقل و وہم خارج است۔ در دنیا ایں سر را بر خواص خواص منکشف گردانیدہ اند، ہر چند رؤیت نیست کالرؤیت است۔ ایں دولتِ عظمیٰ است کہ بعد از زمانِ اصحاب رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کم کسے بایں دولت مستعد گشتہ است۔ ہر چند ایں سخن امروز مستبعد می نماید و مقبولِ اکثرے نمی گردد۔ اما اظہارِ نعمتِ عظمیٰ می نماید، کوتہ اندیشاں قبول کنند یا نہ۔ و ایں نسبت بایں خصوصیت فرد از حضرت مہدی ظہور خواہد یافت۔ اِنْشَاءَ اللّٰہُ تَعَالیٰ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَۃَ الْمُصْطَفٰی صَلَوَاتُ اللّٰہِ تَعَالیٰ وَتَسْلِیْمَاتُہٗ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

تناول نمایدن فتوی شریعت غرا دریں باب درست نکند۔ بالجملہ در جمیع امور کریمۂ مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا را نصب عین خود سازد۔ حال طالبان از دو امر خالی نیست، یا از اہل کشف و معرفت اند یا از ارباب جہل و حیرت۔ اما بعد از قطع منازل و دفع حجب ہر دو طائفہ واصل اند۔ در نفس وصول مرتبہ نسبت یکے را بر دیگرے، چنانکہ دو شخص بعد از قطع منازل بعیدہ بکعبہ می رسند، یکے منازل راہ را تماشا کردہ رفت و تفصیل ہر کدام از منازل را بقدر استعداد خود دانستہ رسید۔ و دیگرے از منازل راہ چشم دوختہ رفت، و بر تفصیل اطلاع نیافتہ بکعبہ رسیدہ۔ ہر دو شخص در نفس وصول بکعبہ مساوی اند، ہیچ کدام را زیادتی نیست دریں وصول بر دیگرے، اگرچہ در معرفت منازل راہ متفاوت افتادہ اند۔ و بعد از رسیدن مطلوب ہر دو را جہل لازم است۔ لِاَنَّ الْمَعْرِفَةَ فِيْ ذَاتِ اللّٰهِ تَعَالٰى جَهْلٌ وَعَجْزٌ عَنِ الْمَعْرِفَةِ۔ باید دانست کہ قطع منازل سلوک عبارت از قطع مقامات عشرہ است۔ و قطع مقامات عشرہ منوط باین تجلیات ثلاثہ است تجلی افعال و تجلی صفات و تجلی ذات۔ و ایں مقامات غیر از مقام رضا ہمہ وابستہ تجلی افعال و تجلی صفات اند، و مقام رضا منوط بتجلی ذات است، تعالی و تقدس، و محبت ذاتیہ کہ مستلزم مساوات ایلام محبوب است با انعام او نسبت بمحب۔ پس لاجرم رضا متحقق شود و کراہت برخیزد۔ و ہمچنیں بلوغ ایں جمیع مقامات،

بعد تکمیل، در وقتِ حصولِ تجلیِ ذاتی است که فنائے اتم وابستہ بآنست۔
امّا حصولِ نفسِ مقاماتِ عشرہ در تجلیِ افعال و تجلیِ صفات است۔
مثلاً ہرگاہ قدرتِ او را سبحانہ بر خود و بر جمیعِ اشیا مشاہدہ نماید، بے اختیار
بتوبہ و انابت رجوع کند، و خائف و ترسان شود، و ورع شیوۂ خود سازد،
و در نفوذِ ارادتِ او صبر پیش گیرد، و بے طاقتی بگذارد۔ و چوں مولائے نعم
او را داند، و اعطا و منع از وے شناسد سبحانہ، ناچار در مقامِ شکر آید، و در
توکل قدمِ راسخ نہد۔ و چوں عطوفت و مہربانیِ محبی شود در مقامِ رجا
در آید، و چوں عظمت و کبریائی و مشاہدہ نماید، و دنیائے دنی در نظرِ او
خوار و بے اعتبار در آید، ناچار بے رغبتی در دنیا پیدا شود، و فقر اختیار
کند، و زہد شیمۂ خود گیرد۔ اما باید دانست که حصولِ ایں مقامات
بتفصیل و ترتیب مخصوص بسالکِ مجذوب است۔ و مجذوبِ سالک را
طے ایں مقامات بر سبیلِ اجمال است۔ چہ او را عنایتِ ازلی گرفتارِ محبتے
ساختہ است که بتفصیل آنہا نمی تواند پرداخت۔ در ضمنِ آں محبت زبدۂ
ایں مقامات، و خلاصۂ ایں منازل بروجہِ اتم او را حاصل است۔ که
صاحبِ تفصیل را میسر نشدہ است۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی۔

۱۱۔ **منہا** طالب را باید که ہمام در نفیِ آلہۂ باطلۂ
آفاقی و انفسی نماید، و در جانبِ اثباتِ معبودِ حق، ہر چہ در حوصلۂ
فہم و وہمِ او در آید، آں را نیز در تحتِ نفی داخل سازد، و اکتفا بموجودیت
آں نماید۔ اگرچہ وجود را ہم دراں موطن گنجائش نیست۔ بلکہ ماورائے

قلب. و بایں سیر باطن بطون آں می رسند، و علوم و معارف ایں هر شش لطیفه در مقام قلب منکشف می گردند، اما علومے که مناسب مقام قلب اند این است. پیش ازین کلمهٔ قدسیه حضرت خواجه قدس الله تعالی سره. پیش حقیر را درین مقام برکت این بزرگواران مزید بر مزید است، و تدقیق بعد تحقیق و [illegible] وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ" رمزے ازاں مزید و اشارتے ازاں تدقیق می نماید. وَمِنْهُ سُبْحَانَهُ الْعِصْمَةُ وَالتَّوْفِيقُ

بدانکه قلب نیز متضمن لطائف است بر قیاس قلب. لیکن در قلب قلب واسطهٔ تنگی دارد، بسر دیگر دو لطیفه از لطائف ستهٔ مذکوره بطریق جزئیه ظاهر می شوند لطیفهٔ نفس و لطیفهٔ اخفی.
وَلَمَّا كَانَ الْعَرْشُ فِي مُنْتَهَى الرُّوحِ فِي مَرْتَبَةٍ ثَالِثَةٍ لَا يَظْهَرُ فِيهَا الْخَفِيُّ أَيْضًا وَبَدَا الْكُلُّ فِي الْقَلْبِ الَّذِي فِي مَرْتَبَةٍ رَابِعَةٍ إِلَّا أَنَّهُ لَا يَظْهَرُ فِيهِ السِّرُّ [illegible] مَعَ ظُهُورِ النَّفْسِ [illegible] فِي الْمَرْتَبَةِ [illegible] لَا يَظْهَرُ [illegible] فِيهِ أَيْضًا فِي الْأَقَلِّ [illegible] مَحْضٌ وَنِسْبَةٌ [illegible] أَصْلًا.

وَمِمَّا يَنْبَغِي أَنْ يُعْلَمَ هٰهُنَا مِنْ بَعْضِ الْمَعَارِفِ الْعَالِيَةِ يُتَوَسَّلُ بِهِ إِلَى مَا هُوَ نِهَايَةُ النِّهَايَةِ [illegible] أَنَّهُ سُبْحَانَهُ [illegible] جَمِيعَ مَا ظَهَرَ فِي الْعَالَمِ الْكَبِيرِ مُفَصَّلًا فَهُوَ ظَاهِرٌ فِي الْعَالَمِ الصَّغِيرِ إِجْمَالًا. وَنَعْنِي بِالْعَالَمِ الصَّغِيرِ الْإِنْسَانَ فَإِذَا

ملہ علوم و معارف که مناسب این مقام اند

بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۔

۲۴۔ منہا قرب اولیا از صفاتِ بشریت ایشان ست، ہرچہ سائر مردم محتاج اند، ایں بزرگواراں نیز محتاج اند۔ ولایت ایشاں را از احتیاج نمی برآرد، و غضب ایشاں نیز در رنگِ غضب سائر مردم ست۔ ہرگاہ سیدِ انبیا علیہ وعلیہم الصلوات و التسلیمات فرماید اَغْضَبُ كَمَا يَغْضَبُ الْبَشَرُ باولیا چہ رسد، و ہمچنیں ایں بزرگواراں در اکل و شرب و معاشرت با اہل و عیال و موانست با ایشاں با سائر ناس شریک اند۔ تعلقاتِ شتّٰی کہ از لوازم بشریت است از خواص و عوام زائل نمی گردد۔ حق سبحانہ و تعالیٰ در شانِ انبیا علیہم الصلوات و التسلیمات می فرماید وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَأْكُلُوْنَ الطَّعَامَ و کفارِ ظاہر بیں می گفتند "مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ"۔ پس ہرکہ نظرِ او بر ظاہرِ اہل اللہ فتاد محروم گشت، و خسرانِ دنیا و آخرت نقدِ وقتِ او آمد۔ ہمیں ظاہر بینی ابوجہل و ابولہب را از دولتِ اسلام محروم ساخت، و در خسرانِ ابدی انداخت۔ سعادتمند آنست کہ نظرِ او از ظاہر بینی اہل اللہ کوتاہ گشت، و حدتِ نظرِ او بصفاتِ باطنۂ ایں بزرگواراں نفوذ کرد، در باطن مقصور گشت۔ فَهُمْ بِسَبِيْلِ مِصْرَ بَلَا لِلْمَحْجُوْبِيْنَ وَمَاءٌ لِلْمَحْبُوْبِيْنَ، عجب کاریست۔ صفاتِ بشریہ الغذ کہ در اہل اللہ ظاہر می گردد در سائر مردم ظاہر نیست، وجہش آنست کہ

ظلمت و کدورت در محلِ ہموار و مصفا اگرچہ اندک باشد بیشتر ہویدا می گردد،
از آنچہ در محلِ ناہموار و غیر مصفا گرچہ بیشتر شد لیکن ظلمتِ صفاتِ
بشریت در عوام در کلیت سرایت می کند، و در قالب و نفس و روح
می رود، و در خواص این ظلمت مقصور بر قالب و نفس است، و در اخص
خواص بعض ازین ظلمت مبرا است، مقصور بر قالب است و بس.
و ایضاً این ظلمت در عوام موجب نقصان و خسارت است، و در خواص موجب
کمال و نضارت، ہمین ظلمتِ خواص است کہ ظلمات عوام را زائل می گرداند،
قلب ہائے ایشان را تصفیہ می بخشد و نفس را تزکیہ می دہد. اگر این ظلمت
[illegible] نمی بود خواص را بالعوام ہیچ راہِ مناسبت نمی کشود، و راہ افادہ و استفادہ
مسدود می نمود، و این ظلمت در خواص آن قدر نمی است کہ مکدر سازد،
بلکہ ندامت و استغفار کہ در قفائے او ست می دہد چندین ظلمت و
کدورت دیگر را ہم رواج و ترقیات می فرماید. ہمین ظلمت است کہ در
ملائکہ مفقود است، و بسبب آن راہ ترقی مسدود، و ہم ظلمت روے
از قبیلِ مدحٍ یُشبہ الذم است. عوام کالانعام صفات بشریت
اہل اللہ را در رنگ صفتِ بشریت خود می دانند، و محروم و مخذول می مانند
قیاس غائب بر شاہد فاسد است، ہر مقام را خصوصیات علیحدہ است
و ہر محل را لوازم جدا. وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْہُدٰی وَالْتَزَمَ
مُتَابَعَۃَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہِ الصَّلَوٰتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ.

۲۵- منها آدمی تا زمانے که گرفتارِ علم و دانش ست، و بنقوشِ ماسوی منقّش، خوار و بے اعتبار ست. نسیانِ ماسوای شرطِ راه است، و فنائے ما عدا قدمِ پیشگاه. تا آئینهٔ باطنی از زنگارِ امکان زدوده نگردد، ظهورِ حضرتِ وجوب محال ست، چه جمعِ علومِ امکانی با معارفِ وجوبی از قبیلِ جمعِ اضداد ست. این جا سوالے ست قوی، و آن آنست که چون عارف را به بقا مشرّف می سازند، و برائے تکمیلِ ناقصان بازش می گردانند، علومے که زائل شده بود عود می نماید. بریں تقدیر علومِ امکانی با معارفِ وجوبی جمع میگردد، و آن را جمعِ ضدّین گفته. جوابش آن ست که عارفِ باقی را درین وقت حکمِ برزخیت پیدا کرده ست گویا برزخ ست بَیْنَ الْوُجُوبِ وَالْاِمْکَانِ، و منصبغ برنگِ هر دو مقام. درین صورت اگر علوم و معارفِ هر دو مقام جمع شوند چه محال. زیرا که محلِ اجتماعِ ضدّین واحد نه ماند بلکه گویا متعدد گشته ست. فلا اجتماع

۲۶- منها علومِ اشیا که در مرتبهٔ فنا زائل شده بودند بعد از بقا اگر رجوع نمایند نقصے در کمالِ عارف لازم نشود، بلکه کمال وابست درین رجوع، بلکه تکمیل هم مربوط بهمین رجوع است، چه عارف بعد از بقا متخلق باخلاق الله شده است. علمِ اشیا در واجب تعالیٰ عینِ کمال است، و فقدِ آن موجبِ نقصان. وَقَدْ قَالَ الْعَارِفُ الْمُحَقِّقُ وَلَنِعْمَ مَا قَالَ اِنَّ الْعِلْمَ فِي الْمُمْكِنِ يَحْصُلُ بِحُصُوْلِ صُوْرَةٍ [illegible] الْعَالِمُ بِحُصُوْلِ صُوْرَةِ الْمَعْلُوْمِ فِيْهِ [illegible] الْجَهْلُ اِنْ كَانَ

التأثر في العالم الكبير فيكون التغير والتبدل فيه أوسع وأبسط
فيكون نقصا فلا تستغرب من نفي هذه العلوم مع كمالها و
إثباتها للأنبياء جلّها والعلم في الواجب تعالى ليس كذلك إذ
هو سبحانه منزه من أن تحصل فيه صور الأشياء المعلومة بل
تنكشف الأشياء عليه تعالى بمجرد تعلق العلم بها فسبحانه
لا تغير في ذاته ولا في صفاته ولا في أفعاله بحدوث الأكوان و
الحوادث المتعلق بتصير علمه بهذه الصفة فلا تحصل فيه صور
معلومات الأشياء ولا تأثر في حقه فلا تغير ولا تلون فلا
يكون نقصا بل كمالا هذا السر من غوامض الأسرار الإلهية
خص الله سبحانه وتعالى به من يشاء من عباده ببركة حبيبه
عليه وعلى آله الصلوات والتسليمات أتمها وأكملها.

٢٧- منها این درویش را در دهم سال از ابتدائے زمان
انابت بمقام رضا مشرف ساختند. اول نفس را باطمینان رسانیدند،
بعد ازان بتدریج بمحض فضل ازلی باین سعادت مستسعد ساختند،
وباین دولت مشرف نشد تا زمانے کہ پرتوے از رضائے آن حضرت جل سلطانہ
برنتافت. فرضیت النفس المطمئنة عن مولاها ورضی مولاها
عنها الحمد لله سبحانه علی ذلک حمدا کثیرا طیبا مبارکا فیه
مبارکا علیه کما یحب ربنا ویرضی والصلوة والسلام علی
رسوله محمد وآله کما یحری.

اگر گویند کہ چوں نفس راضی شد از مولائے خود، پس معنیٔ دعا و طلبِ دفعِ بلا چہ باشد؟ گوئیم کہ رضا از فعلِ مولائے تعالیٰ مستلزم رضا از مخلوقِ او نیست، بلکہ بسا است کہ رضا از مخلوق مستقبح باشد، مثل کفر و معاصی، پس رضا از خلقِ قبیح لازم باشد و کراہت از نفسِ قبیح واجب۔ ہرگاہ مولا تعالیٰ از نفسِ قبیح راضی نباشد بندہ چگونہ راضی شود، بلکہ بندہ دریں صورت مامور بشدت و غلظت ست پس کراہت از مخلوق منافی رضا از خلقِ آں نباشد۔ پس طلبِ دفعِ بلا را معنی متحقق باشد و جمعے کہ فرق نکردہ اند درمیان رضا از فعل و کراہت از مفعول، در وجود کراہت بعد از حصولِ رضا در اشکال ماندہ اند، و در دفعِ آں تکلفات نمودہ اند، و گفتہ اند کہ وجودِ کراہت منافی حالِ رضا است نہ مقامِ رضا۔ وَالْحَقُّ مَا حَقَّقْتُہٗ بِاِلْہَامِ اللہِ سُبْحَانَہٗ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْہُدٰی۔

۳۸۔ **منہا** مدتے آرزوئے آں داشت کہ وجہے پیدا شود وجیہ در مذہبِ حنفی تا در خلفِ امام قرأتِ فاتحہ نمودہ آید۔ ہرگاہ قرأت در نماز فرض باشد از قرأتِ حقیقی عدول نمودہ بقرأتِ حکمی قرار دادن معقول نمی شد، تا آنکہ در حدیثِ نبوی آمدہ علیہ الصلوٰۃ والسلام «لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ»، با وجود این رعایتِ مذہب بے اختیار ترکِ قرأت می کرد، و ایں ترک را از قبیلِ ریاضت و مجاہدہ می شمرد۔ آخر الامر حضرتِ حق سبحانہ و تعالیٰ ببرکتِ رعایتِ مذہب کہ نقل از مذہب الحاد است حقیقتِ مذہبِ حنفی در ترکِ قرأتِ ماموم ظاہر ساخت۔

و قرائتِ حکمی از قرائتِ حقیقی در نظرِ بصیرت زیباتر نمود که امام و ماموم
همه باتفاق در مقامِ مناجات می ایستند، لِاَنَّ الْمُصَلِّیْ یُنَاجِیْ رَبَّہٗ،
و امام را درین امر پیشوا می سازند پس امام هرچه می خواند گویا در زبانِ
قوم می خواند. در رنگِ آنکه جماعۂ پیشِ پادشاهِ عظیم الشان بحاجتے بروند
و یکے را پیشوا سازند، تا از زبانِ همه اینها عرضِ حاجت نماید، برین تقدیر
اگر دیگران نیز با وجودِ تکلمِ پیشوا در تکلم آیند داخلِ سوءِ ادب ست و موجبِ
عدمِ رضائے پادشاه. پس تکلمِ حکمی این جماعه که بزبانِ پیشوا ادا می یابد بهتر
است از تکلمِ حقیقی اینها. همچنین است حالِ قرائتِ قوم با وجودِ قرائتِ
امام که داخلِ شغب است، و از ادب مستبعد، و موجبِ تفرق، که منافیِ
نظامِ اجتماع ست. و اکثرِ مسائلِ خلافی میانِ حنفی و شافعی ازین قبیل ست.
که ظاهر و صورت مرجح بجانبِ شافعی است و باطن و حقیقت مؤیدِ
مذهبِ حنفی، و درین فقیر ظاهر ساخته اند که در خلافیاتِ کلامیه حق بجانبِ
حنفی ست. تکوین را از صفاتِ حقیقیه می دانند هرچند بظاهر رجوع بقدرت
و ارادت می نماید لیکن بدقتِ نظر و نورِ فراست معلوم می گردد که تکوین
صفتِ علیحده است، عَلٰی هٰذَا الْقِیَاس
و در خلافیاتِ فقهی در اکثر مسائل حق بجانبِ حنفی متحقق است
و در اقل متردد. و این فقیر را در توسطِ احوال حضرت پیغمبر علیه و علی آله
الصلوات والتسلیمات در واقعه فرموده بودند که "تو از مجتهدانِ علمِ کلامی".
از آن وقت در هر مسئله از مسائلِ کلامیه این فقیر را رائے خاص ست،

پس اجازت موقوف بر کمالِ مطلق نشد. باید دانست که نقص هرچند
منافیِ اجازت ست، اما چون کامل مکمل ناقص را نائب خود می سازد، و
دستِ او را دستِ خود می داند، ضررِ نقص تعدی نمی نماید. وَاللهُ سُبْحَانَهٗ
أَعْلَمُ بِحَقَائِقِ الْأُمُوْرِ كُلِّهَا.

۳۰. منها یادداشت عبارت از دوامِ حضورِ حضرتِ ذات سبحانی
وتقدس، و این معنی گاه است که مراتبِ جذب را میسر متحمل شود بواسطه
جامعیتِ قلب. زیرا که هرچه در کلِ انسان ست، در قلب تنها نیز
ثابت ست، هرچند فرقِ اجمال و تفصیل ست. پس در مرتبهٔ قلب نیز
حضورِ ذاتِ تعالی و تقدس بر سبیلِ دوام میسر شود. اما این معنی صورتِ
یادداشت است، نه حقیقتِ یادداشت، و اندراجِ نهایت در بدایت
تواند بود که این صورتِ یادداشت اشارت فرموده باشند، و
حصولِ حقیقتِ یادداشت بعد از تزکیهٔ نفس و تصفیهٔ قلب ست. لیکن اگر
مراد از حضرتِ ذات، مرتبهٔ وجوب داشته شود، که ذات دران مرتبه جامعِ
صفاتِ وجوبیه است، پس حصولِ یادداشت مجرد رسیدن بشهودِ این
مرتبه، بعد از طیِ جمیع مراتبِ امکانی صورت می بندد. و در تجلیاتِ
صفاتی نیز این معنی متحقق می شود، که ملاحظهٔ صفات درین شهود منافیِ
حضورِ حضرتِ ذاتِ تعالی نیست. و اگر مراد از حضرتِ ذاتِ تعالی مرتبهٔ
احدیتِ مجرده داشته شود، که معراست از اسما و صفات و نسب و
اعتبارات، پس حصولِ یادداشت بعد از طیِ جمیع مراتبِ اسمائی و صفاتی

عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيمَاتُ أَتَمُّهَا وَأَكْمَلُهَا.

۳۳- منها هیچ میدانی که اولیائے خود را کردی که باطنِ ایشان زلالِ خضر ست، هر که قطرۂ ازان چشید حیاتِ ابدی یافت و ظاہرِ ایشان سمِّ قاتل، هر که آن نگریست بموتِ ابدی گرفتار آمد۔ ایشان اند که باطنِ ایشان رحمت ست و ظاہرِ ایشان زحمت۔ باطن بینِ ایشان از ایشان ست و ظاہر بینِ ایشان از بدبختان، بصورت جو نمایند و بحقیقت گندم بخش۔ بظاہر از عوامِ بشر اند و بباطن از خواصِ ملک، بصورت بزمین اند و بمعنی بر فلک، جلیسِ ایشان از شقاوت رسته است، و انیسِ ایشان بسعادت پیوسته۔ أُولَئِكَ حِزْبُ اللَّهِ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ۔ وصلی الله تعالی علی سیدنا محمد وآله وسلم۔

۳۴- منها حضرت حق سبحانه وتعالی اولیا را ستر ابرے مستور ساخته است که ظاہرِ ایشان از کمالاتِ باطنِ ایشان خبر ندارد فکیف باعدائے ایشان۔ باطنِ ایشان را نسبتے که بمرتبۂ بیچونی و بیچگونی حاصل گشته ست نیز بیچون ست، و باطنِ انسان چون از عالمِ امر ست نیز نصیبے از بیچونی دارد، و ظاہر که سراسر چون ست حقیقتِ آن را چه در یابد، بلکه نزدیک ست که از نفسِ حصولِ آن نسبت انکار نماید، چنانچه الْجُهَّالُ وَعَنْ هَذَا بِمَعْزِلٍ و شاید بود که بعض حصولِ نسبت یاد شد، اما مرتبۂ متعلقِ آن نیست، بلکه چه باشد که نفی متعلقِ حقیقی و نماید۔ وَكُلُّ إِنَاءٍ يَتَرَشَّحُ بِمَا فِيهِ، و باطن خود مطلوب

آں نسبت ست۔ وادید بود دانش رفتہ است، چہ داند کہ چہ دارد و بکہ دارد
پس ناچار غیر از عجز از معرفت بمعرفت راہ نباشد۔ لہذا صدیق اکبر رضی اللہ
تعالیٰ عنہ فرمود اَلْعَجْزُ عَنْ دَرْكِ الْاِدْرَاكِ اِدْرَاكٌ، نفیِ ادراک عبارت
از نسبتِ خاصہ است کہ عجز از ادراکِ آں لازم ست، لِاَنَّ صَاحِبَ
الْاِدْرَاكِ مَغْلُوْبٌ لَا يَعْلَمُ اِدْرَاكَهٗ وَغَيْرُهٗ لَا يَعْلَمُ حَالَهٗ كَمَا مَرَّ

۳۴۔ **منہا** شخصے بود در لب بن صوفیاں کہ بہ بدعت اعتقادی
مبتلا بود۔ ایں فقیر در حقِ او ترددی داشت، اتفاقاً می بینم کہ انبیا صلوات
اللہ تعالیٰ و تسلیماتہ علیہم اجمعین جمع اند و ہمہ بزبانِ واحد می فرمایند
در حقِ آں شخص کہ لَیْسَ مِنَّا۔ دریں اثنا بخاطر رسید کہ از شخصِ دیگر کہ
فقیر در حقِ او متردّد بود استفسار نماید، دربارۂ او فرمودند كَانَ مِنَّا"
نَعُوْذُ بِاللّٰهِ سُبْحَانَهٗ مِنْ سُوْءِ الْاِعْتِقَادِ وَمِنْ طَعْنِ اٰيْنَاتِهٖ الْاِتِّحَادِ۔

۳۵۔ **منہا** بریں فقیر ظاہر ساختند کہ لفظِ قرب و معیت و
احاطۂ حق سبحانہ کہ در قرآن مجید واقع شدہ است، از جملہ متشابہاتِ
قرآنی ست، بہ رنگ ید و وجہ۔ و ہمچنیں است لفظ اول و آخر و ظاہر
باطن و امثالِ آنہا۔ پس حق سبحانہ و تعالیٰ را قریب گوییم، اما معنیٔ قرب او را
ندانیم کہ چیست، و ہمچنیں اول گوییم۔ اما ندانیم کہ مراد از اول چہ باشد،
و معنیٔ قرب و اولیت کہ در حیطۂ علم و فہم ما در آید حق سبحانہ و تعالیٰ
از آں منزہ و مبرا است، و آنچہ در کشف و شہود بانجلی، او تعالیٰ
از آں متعالی و پاک ست، و قرب و معیت و تعالیٰ کہ بعضے از

نستنیم، یاران را جمع کرده گفتیم که عزت نعت نسبت دیگر - گفتند که
تبتل و انقطاع مایه خواهد بود، صد گرفتاری را بحصول یک متابعت
قبول داریم، اما هزار تبتل و انقطاع را بی توسل متابعت قبول نداریم ۝

آنرا که در سرای نگاریست فارغ است   از باغ و بوستان و تماشای لاله زار

رزقنا الله سبحانه کمال متابعته علیه و علی آله الصلوات
والتسلیمات اتمها و اکملها۔

۳۷- منها: در وقتی که صحبت درویشان لشکر بود

این فقیر از محبت خود که نسبت بخدای تعالی و آن سرور را علیه و علی آله
الصلوات والتسلیمات حسن گمان که محبت آن سرور بر نهج
مستولی شده است نه بحق سبحانه و تعالی را بواسطه آن دوست می دارم
که رب محمد است۔ حاضران این سخن در تعجب ماندند، اما مجال مخالفت
نداشتند۔ این سخن نقیض سخن رابعه است، که گفته آن سرور را در خواب
گفتم که محبت حق سبحانه و تعالی بر نهجی مستولی یافته است که محبت شما را
جا نمانده است۔ این هر دو سخن هر چند از سکر خبری دهد، اما سخن من اصالت
دارد، او در عین سکر گفته، و من در انتهای صحو، و سخن او در مرتبه صفات
است، و سخن من بعد از رجوع در مرتبه ذات۔ زیرا که در مرتبه ذات تعالی
این قسم محبت را گنجایش نیست۔ جمیع نسب را از آن مرتبه کوتاهی است۔
آنجا همه حیرت است یا جهل بلکه مذبذب۔ نفی محبت در آن مرتبه می کنند
بهیچ وجهی خود را شایان محبت او نمی دانند۔ محبت و معرفت در صفات

است و بس. محبتِ ذاتی که گفته‌اند مراد از آں ذاتِ احدیت نیست، بلکه
ذات، بالبعض از اعتباراتِ ذات است. پس محبت رابعه در مرتبهٔ صفات
است. وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْمُلْهِمُ لِلصَّوَابِ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی
سَیِّدِ الْبَشَرِ وَآلِهِ الْاَطْهَرِ۔

۳۸- منها شرافتِ علم باندازهٔ شرف و رتبهٔ معلوم است.

معلوم هر چند شریف‌تر علمِ آں عالی‌تر. پس علمِ باطن که صوفیه بآں ممتازند
اشرف باشد از علمِ ظاهر که نصیبِ علمای ظواهر است. بر قیاسِ شرافتِ
علمِ ظاهر بر علمِ حجامت و حیاکت. پس رعایتِ آدابِ پیر که علمِ باطن را
ازو اخذ کنند باضعاف زیاده باشد از رعایتِ آدابِ استاد که علمِ ظاهر ازو
استفاده نمایند، و همچنیں رعایتِ آدابِ استادِ علمِ ظاهر باضعاف زیاده
است از رعایتِ آدابِ استادِ حجام و حایک، و همیں تفاوت در اصنافِ
علومِ ظاهری جاری ست، استادِ علمِ کلام و فقه اولیٰ و اقدم است
از استادِ علمِ نحو و صرف، و استادِ نحو و صرف اولیٰ است از استادِ علومِ
فلسفی، با آنکه علومِ فلسفی داخلِ علومِ معتبره نیست، اکثرِ مسائلِ آں
لاطائل ست و بے حاصل، و اقلِ مسائلِ آں که از کتبِ اسلامیه اخذ
نموده‌اند، و تصرفات دراں کرده، از جهلِ مرکب خالی نیستند که عقل را
دراں موطن مجال نیست، طورِ نبوت ورای طورِ عقلِ نظری ست.

باید دانست که حقوقِ پیر فوقِ حقوقِ سائر اربابِ حقوق ست، بلکه
نسبت ندارد حقوقِ پیر بحقوقِ دیگراں، بعد از انعاماتِ حضرتِ حق سبحانهٔ

واحسانات رسول او علیه و علی آله الصلوات و التسلیمات، بلکه
پیر حقیقی همه، رسول الله است صلی الله تعالی علیه و آله وسلم. ولادت صوری
هر چند از والدین ست، اما ولادت معنوی مخصوص به پیر است. ولادت
صوری را حیات چند روزه است، و ولادت معنوی را حیات ابدی است.
نجاسات معنویهٔ مرید را پیر ست که بقلب و روح خود پاک می نماید و تطهیر باطن
شکنیه او می فرماید. در توجهات که نسبت به بعضے مستر شدان واقع
می شود محسوس می گردد که در تطهیر نجاسات باطنه ایشان تو تے بصاحب
توجه پیدا می شود، و بار نے تکدر می دارد. پیر ست که توسل و تخدامی حضرت
عز و جل، که فوق جمیع سعادات دنیویه و اخرویه است، پیر است که بوسیله
و نفس اماره که بالذات خبیث ست مزکی و مطهر می گردد، و از اماره گی
باطمینان می رسد، و از کفر جبلی باسلام حقیقی می آید. ع

گر بگویم شرح این بے حد شود

پس سعادت خود را در قبول پیر باید دانست. و شقاوت خود را در رد او.
نعوذ بالله سبحانه من ذلک. رضائے حق سبحانه در پس پردهٔ رضائے
پیر مانده اند. تا مرید در مرضی پیر خود گم نسازد، به رضائے حق سبحانه نرسد
آفت مرید آزار پیر ست. هر زلتے که بعد ازاں بشود تدارک آں ممکن ست
اما آزار پیر را هیچ چیز تدارک نمی تواند نمود. آزار پیر بیخ شقاوت ست مرید را
عیاذاً بالله سبحانه من ذلک. خلل در معتقدات اسلامیه و فتور
در اتیان احکام شرعیه از نتائج و ثمرات آنست، از احوال و مواجید که

با باطن تعلق دارد خود چه گوید و اثرے از احوال اگر با وجودِ آثارِ پیری باقی ماند
از استدراج باید شمرد، که آخر بخرابی خواهد کشید و غیر از ضرر نتیجه نخواهد داد۔
وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی۔

۳۹۔ منها قلب را که عالمِ امر است، او را بعالمِ خلق تعلق و
تعشق داده بعالمِ خلق فرود آورده اند، و بمضغه که در جانبِ چپ ست،
تعلقِ خاص بخشیده اند در رنگِ آنکه پادشاهے را بکناسے تعشق پیدا شود،
و بسببِ آن در منزلِ کناس نزول نماید۔ و روح که الطف از قلب
است از جانبِ یمین ست، و لطائفِ دیگر که فوقِ لطیفهٔ روح اند
بشرفِ خَيْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَطُهَا مشرف اند۔ هر چند الطف تر اوسط
مناسب تر، لِاَنَّ الْآفَاتَ الْيَسِيْرَةَ وَالْعَجِيْبَةَ عَلٰی طَرَفَيِ الْاَخْفٰی اَحَدُهُمَا عَلَی
الْيَمِيْنِ وَالْاٰخَرُ عَلَی الشِّمَالِ۔ و نفس که در حواس ست تعلق بدماغ
دارد، و ترقیِ قلب منوط است بوصولِ او در مقامِ روح، و بمقامِ مافوقِ
روح، و همچنین ترقیِ روح و مافوقِ او مربوط ست بوصولِ آنها بمقامات
فوقانی۔ لیکن این وصول در ابتداء الطریق احوال است، و در انتها بطریقِ
مقام، و ترقیِ نفس برسیدنِ وسعت در مقامِ قلب بطریقِ حلول، در
ابتدا و بطریقِ مقام در انتها۔ و در آخرِ کار این لطائفِ سته بمقامِ اخفی
می رسند و همه باتفاق قصدِ طیرانِ عالمِ قدس می نمایند۔ و مضغهٔ قلب را
خالی و تهی می گذارند۔ اما این طیران نیز در ابتداء الطریق احوال ست و در انتها
بطریقِ مقام۔ و هیچ يَحْصُلُ الْفَنَاءُ، و موتے که پیش از موت گفته اند:

عبارت ازیں جدائی لطائفِ ستہ است از لطیفۂ قالب۔ دیگر لطائفِ حق و
حرکت در قالب بعد از مفارقت اینہا در جاہائے دیگر بیان کردہ شدہ است،
از انجا باید طلبید۔ این ورق گنجایشِ تفصیل ندارد، باشارہ و رموز سخن
می رود۔ لازم نیست کہ جمیع لطائف در مقامے جمع شوند و از آنجا
طیران نمایند۔ گاہ باشد کہ قلب و روح ہر دو باہم این کار کنند۔ وگاہے
ہر سہ، وگاہے ہر چہار، و آنچہ اول مذکور شدہ اتم و اکمل است، و مخصوص ست
بولایتِ محمدی علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات، و ماعدائے او قسمے
از اقسامِ ولایت است۔ و چون آن لطائفِ ستہ بعد از مفارقت از قالب
و وصول بمقامِ قدس و تلونِ نسخِ آن، اگر بقالب باز رجوع نمایند و تعلق
پیدا کنند سوائے تعلقِ حبی، و حکمِ ذنب گیرند و بعد امتزاج یک قسم بقائے
پیدا کنند و حکمِ میت بگیرند، درین وقت تجلی خاص متجلی گردند، و از سرحات
پیدا کنند، و بمقامِ بقا باللہ متحقق شوند، و متخلق باخلاق اللہ گردند، درین
وقت اگر آن را خلعت بخشیدہ بعالم باز گردانند، معاملہ از دُنو تدلّی خواہد
انجامید، و مقدمۂ تکمیل پیدا خواہد شد، و اگر بعالم باز نگردانند و تدلّی بعد
دُنو حاصل نشود از اولیائے عزلت خواہد بود، و ترتیب طالبان و تکمیل
ناقصان از دست وے کے خواہد آمد۔ این ست حدیث بدایت و نہایت بطریق
رمز و اشارہ۔ اما فہمیدن آن بغیر قطع این منازل محال است۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی
مَنِ اتَّبَعَ الْہُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ الصَّلٰوةُ
وَالسَّلَامُ۔

۴۰- منها حضرت حق سبحانه و تعالی از ازل تا ابد بیک کلام متکلم است، آن کلام متبعض و متجزی نیست، چه سکوت و خرس در حق او تعالی محال ست، چه عجب هرگاه از ازل تا ابد در آنجا آن واحد باشد، إِذْ لَا يَجْرِي عَلَيْهِ سُبْحَانَهُ زَمَانٌ۔ و در آنِ واحد غیر از کلام واحدِ بسیط چه بوقوع آید، و آن کلام واحد منشاءِ چندین اقسام کلام گشته است باعتبارِ تعددِ تعلقات، مثلاً اگر بامور تعلق گرفته است امر ناشی شده، و اگر بمنهی نهی نام یافته، و اگر باخبار خبر پیدا گشته۔ غَايَةُ مَا فِي الْبَابِ۔ اخبارِ ماضی و استقبال جمیع مادهٔ اشکال می ماند، و از تقدم و تاخرِ دال بتقدم و تاخرِ مدلول می برد ولا اشکال، زیرا که ماضی و استقبال از صفاتِ مخصوصهٔ دال ست که باعتبارِ انبساطِ آن آن پیدا شده است، و در مرتبهٔ مدلول چون آن آن بحالِ خودست، و هیچ انبساطے پیدا نکرده است، ماضی و استقبال را گنجایش نیست۔ ارباب معقول گفته اند که ماهیت واحده را باعتبار وجودِ خارجی لوازم علیحده است، و باعتبار وجودِ ذهنی صفات جدا۔ هرگاه بشئ واحد تباینِ صفات و لوازم باعتبارِ تعددِ وجود و هویت جائز باشد، در دال و مدلول که فی الحقیقت از یکدیگر جدا اند بطریق اولی مجوز باشد، و آنچه گفته شد که از ازل تا ابد آنِ واحدست، از تنگی عبارت است، والا آن نیز آنجا گنجایش ندارد۔ آن هم در رنگِ زمان اینجا تخیل است۔

باید دانست، ممکن که در مقامات قرب الهی جل سلطانه پا از دائرهٔ امکان بیرون می نهد ازل و ابد را متحد می یابد۔ حضرتِ رسالت خاتمیت

عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ وَالتَّحِیَّةُ در شبِ معراج در مقامات عروج یونسؑ را در بطنِ ماہی یافت، و طوفانِ حضرتِ نوحؑ موجود بود، علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ و اہلِ بہشت را در بہشت دید، و دوزخیاں را در دوزخ۔ و بعد از پانصد سال کہ نصفِ یوم ست از زمانِ دخولِ بہشت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کہ از اغنیائے صحابہ است علیہم الرضوان در بہشت در آمد۔ و حضرتِ پیغمبرؐ از دیر آمدنِ او پرسیدند، او از عقباتِ محنِ خود خبر داد، و ایں ہمہ در رنگِ آن مشہود گشت، ماضی و استقبال را گنجائش نبود۔

و ایں حقیر را نیز در بعضے از اوقات بصدقۂ حبیب اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ایں حالت پیدا شدہ بود، ملائکہ را در عینِ سجود یافت کہ بحضرتِ آدمؑ می کردند، و ہنوز سر از سجدہ برداشتہ بودند، و ملائکہ علیین را ازیں ساجداں جدا دید کہ بسجدہ مامور نگشتہ اند، و در مشہودِ خود مستہلک و مستغرق اند، و احوالے کہ در آخرت موعود اند، در ہماں آن مشہود گشتند، و چوں مدتے بریں واقعہ گذشتہ بود تفصیلِ احوالِ آخرت ذکر دہ کہ بر حافظۂ خود اعتماد نہ داشت۔ لیکن باید فہمید کہ ایں حالت مر جسدِ پیغمبرؐ و روحِ ایشاں را شدہ بود در شہودِ بصر و بصیرت، و دیگراں را کہ طفیلی اند، اگر ایں حالت بطریقِ تبعیت دست دہد، مقصور بر روح است و مخصوص ببصیرت۔

در قافلہ کہ اوست دانم نرسم ایں بس کہ رسد ز دور بانگِ جرسم

عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ الصَّلَوٰتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ اَتَمُّهَا وَاَکْمَلُهَا۔

۴۲۔ **منہا:** تکوین یکے از صفاتِ حقیقیۂ واجب الوجود است،
تعالیٰ وتقدس۔ اشاعرہ تکوین را از صفاتِ اضافیہ می دانند، وقدرت
وارادت را در ایجادِ عالم کافی می انگارند۔ اما حق آنست کہ تکوین صفتِ
حقیقیۂ علیحدہ است، ورائے قدرت وارادت۔ بیانش آنکہ قدرت
بمعنی صحتِ فعل وترک ست، وارادت تخصیصِ یکے ازیں دو طرفِ
قدرت است کہ فعل وترک باشد۔ پس رتبۂ قدرت مقدم شد بر رتبۂ
ارادت، وتکوینے کہ ما اورا از صفاتِ حقیقیہ می دانیم، رتبۂ او بعد از رتبۂ
قدرت وارادت ست۔ کارِ آں صفت ایجادِ آں طرفِ مخصص ست۔
پس قدرت مصحح فعل ست، وارادت مخصص آں، وتکوین موجدِ آں،
پس از تکوین چارہ نبود۔ ومثلِ آں مثلِ استطاعت مع الفعل ست، کہ
علمائے اہلِ سنت آں را در عباد اثبات کردہ اند، وشک نیست کہ ایں
استطاعت بعد از ثبوتِ قدرت است، بلکہ بعد از تعلقِ ارادت، و
تحققِ ایجاد مربوط بایں استطاعت است، بلکہ آں استطاعت موجبِ
فعل ست، وجانبِ ترک آنجا مفقود ست، وحالِ صفتِ تکوین ہمیں
است، کہ ایجاد با او بطریقِ ایجاب است، اما ایں ایجاب در واجب تعالیٰ
ضرر نمی کند، کہ ثبوتِ آں بعد از تحققِ قدرت ست کہ بمعنی صحتِ فعل
وترک ست، وبعد از تخصیصِ ارادت، بخلافِ آنچہ حکمائے فلسفہ
گفتہ اند، وشرطیۂ اولیٰ[له] را واجب الصدق گمان کردہ اند، وشرطیۂ ثانیہ[عه]
را ممتنع الصدق، ونفی ارادت نمودہ اند، صریح در ایجاب ست۔

له ان شاء فعل
عه یعنی ان لم یشأ لم یفعل

تعالی اللہ سبحانہ عن ذلک علوًّا کبیرًا۔ و ایجاب کہ بعد از تعلق
ارادت و تخصیص احد المقدورین پیدا شود مستلزم اختیار ست و موکد آن
نہ منافی اختیار، و کشف صاحب فتوحات نیز موافق رائے حکما واقع شدہ
است، در قضیت شرطیہ اولی را واجب الصدق می دانند و ثانی را ممتنع
الصدق، و این قول بایجاب است، ارادت بیکار می افتد کہ تخصیص
احد متساویین این جا مستقی است، و اگر تکوین این معنی را اثبات کنند
گنجائش دارد کہ از شائبۂ ایجاب مبرا است. این فرق مدعی سب کہ بیان
آن کم کسے سبقت کردہ است۔ علمائے ماتریدیہ ہرچند این صفت را اثبات
کردہ اند، اما باین حیثیت نظر نبردہ اند۔ اتباع سنت سنیہ مصطفویہ،
علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ، درمیان سائر متکلمین ایشان را
باین معرفت ممتاز ساختہ است، و این حقیر از خوشہ چینان این اکابر ست.
ثبتنا اللہ سبحانہ علی معتقداتہم بحرمۃ سید المرسلین
علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات اتمہا و اکملہا۔

۴۲- **منہا** رویت خداوند عزوجل در آخرت مومنان را حق
است، این مسئلہ است کہ غیر از اہل سنت و جماعت ہیچ کس از فرق
اسلامیین و حکمائے فلاسفہ بجواز آن قائل نیست۔ باعث انکار ایشان
قیاس غائب است بر شاہد، و آن فاسد ست۔ مرئی ہرگاہ بیچون و بیچگون
باشد رویتے کہ با وتعلق گیرد نیز بے چون خواہد بود۔ ایمان باو باید آورد
و اشتغال بکیفیت او نباید کرد۔ این سرّ را امروز بر خواص اولیا ظاہر ساختہ

هرچند رویت نیست، اما بے رویت نیست، کما تَرَوْنَ ترونه. فردا همه مومنان حق سبحانه و تعالی را خواهند دید بچشم سر، اما هیچ درک نخواهند کرد. لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ. دو چیز خواهند دریافت: علم یقینی بآنکه می بینند و التذاذ که مترتب بر رویت است. غیر این دو چیز از لوازم رویت همه مفقود ست. این مسئله از غامض مسائل کلام است. طور عقل در اثبات و تصور آن عاجز است. متابعان انبیا از علما و صوفیه آن را بنور فراست، که مقتبس از انوار نبوت ست، دریافته اند. و همچنین مسائل دیگر از علم کلام که عقل در اثبات آنها عاجز و متحیر است، علمائے اهل سنت بنور فراست ست فقط و صوفیه را هم نور فراست و هم کشف و شهود. فرق درمیان کشف و فراست همچون فرق درمیان حدسیات و حسیات است. فراست نظریات را حدسیات می سازد و کشف حسیات، و مسائلے که اهل سنت بآنها قائل اند و مخالفان ایشان که التزام طور عقل نموده اند از آنها منکر اند، همه از آن قبیل اند که بنور فراست معلوم گشته اند و بکشف صحیح مشهود شده. اگر دربیان آن مسائل احتیاجے نموده بمقصود از آن تصویر و تنبیه است، نه اثبات آنها بنظر و دلیل. چه نظر عقل در اثبات و تصویر آنها کوتاه ست. عجب از علمائے که درین مسائل خود را در مقام استدلال مے آرند و می خواهند که بدلائل اثبات کنند و بر مخالفان حجت تمام کنند، این میسر نمی شود و با تمام نیز نمی رسد. مخالفان خیال می کنند که مسائل ایشان نیز در رنگ استدلالات ایشان ضعیف و نا تمام اند. مثلاً علمائے

اہلِ سنت استطاعت مع الفعل اثبات کردہ اند۔ این مسئلہ از مسائلِ
حقہ است کہ بنورِ فراست وکشفِ صحیح معلوم گشتہ است، امّا دلائل
کہ بر اثباتِ او آوردہ اند مزئیف و ناتمام است، قوی ادلۂ ایشان
بر اثباتِ آں مسئلہ عدمِ بقائے اعراض است در دو زمان، چہ اگر
عرض باقی باشد لازم آید قیامِ عرض بعرض و آں محال ست۔ و چوں
این دلیل را مخالفان مزئیف و ناتمام دانستہ اند یقین کردہ اند کہ
آں مسئلہ نیز ناتمام است۔ ندانستہ اند کہ مقتدائے ایشاں دریں مسئلہ
و در امثالِ این مسئلہ نورِ فراست ست کہ مقتبس از انوارِ نبوت ست
امّا این تقصیرِ ماست کہ حدسی و بدیہی را در نظرِ مخالفان نظری می سازیم
و بتکلفات در اثباتِ آں می کوشیم، غایۃ مافی الباب حدسی و بدیہی
ما بر مخالفان حجت نیست۔ گو نباشد، غیر از اعلام و تبلیغ بر ما لازم
نساختہ اند، ہر کہ حسنِ نشأۂ مسلمانی دارد بے اختیار قبول خواہد کرد،
و ہر کہ بے نصیب ست غیر از انکار نخواہد افزود۔ و در میانِ علمائے
اہلِ سنت طریقِ اصحابِ شیخ الاسلام شیخ ابو منصور ماتریدی چہ زیبا
است، کہ اقتصار بر مقاصد فرمودہ اند و اعراض از تدقیقاتِ فلسفیہ
نمودہ طریقِ نظر و استدلال بطریقِ فلسفی در میانِ علمائے اہلِ سنت و جماعت
از شیخ ابو الحسن اشعری ناشی شدہ است، و خواستہ کہ معتقداتِ اہلسنت
را باستدلالِ فلسفی تمام سازد، و این دشوار است، و دلیر ساختن است
مر مخالفان را بر طعنِ اکابرِ دین، و گذاشتن است طریقِ سلف را۔

ثَبَّتَنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ عَلٰى مُتَابَعَةِ اٰرَاءِ اَهْلِ الْحَقِّ الْمُقْتَبَسَةِ مِنْ
اَنْوَارِ النُّبُوَّةِ عَلٰى صَاحِبِهَا الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ اَتَمُّهَا وَاَكْمَلُهَا۔

۴۳- منہا: بحکمِ کریمۂ "وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ"
اظہارِ ایں نعمتِ عظمیٰ می نماید کہ ایں فقیر را یقینے نسبت بمعتقداتِ
کلامیہ کہ بروفقِ آرائے اہلِ حق یعنی اہلِ سنت و جماعت واقع شدہ اند
از بدیہی حصول پیوستہ است، کہ در جنبِ آں یقیں یقینے کہ نسبت باجلائے
بدیہیات حاصل است، حکمِ ظنیات بلکہ وہمیات دارد، مثلاً چوں
موازنہ می کنم یقینے را کہ نسبت بہر یکے از مسائلِ کلام حاصل ست با یقینے کہ
نسبت بوجودِ آفتاب دارم حیف می آید کہ یقینِ ثانی را نسبت بہ یقینِ
اول اطلاقِ یقین نمودہ آید. اربابِ عقول ایں معنی را قبول کنند یا نہ،
بلکہ البتہ قبول نہ کنند کہ ایں معنی وراء طورِ نظرِ عقل ست، عقلِ
ظاہر بیں را جز انکار ازیں مقام نصیبے نیست. حقیقتِ ایں معاملہ آنست
کہ یقین کارِ قلب ست، و یقینے کہ قلب را متعلق بوجودِ آفتاب حاصل میگردد
بتوسطِ حواس ست، کہ حکمِ جواسیس دارند، و یقینے کہ بیکے از مسائلِ کلامیہ
قلب را حاصل شدہ است، بے توسطِ احدے است کہ بطریقِ الہام
از حضرتِ وہاب جل و علا بے واسطہ تلقی نمودہ است و اخذ فرمودہ۔
پس یقینِ اول بمثابۂ علم الیقین آمد و یقینِ ثانی بمثابۂ عین الیقین ——
شَتَّانَ مَا بَيْنَهُمَا۔ ع

شنیدہ کے بود مانندِ دیدہ

۴۴۔ منہا: چوں طالب را محض فضلِ خداوندی جل سلطانہ
ساحتِ سینۂ او از جمیعِ مرادات خالی شود، و خواستے غیر از حق سبحانہ
او را نماند، دریں وقت آنچہ مقصود از آفرینشِ اوست میسر شدہ باشد،
و حقیقتِ بندگی بجا آوردہ۔ بعد ازیں اگر خواہند کہ او را برائے تربیتِ
ناقصاں بازگردانند، از نزدِ خود ارادتے او را خواہند عطا فرمود، و اختیار
خواہند داد کہ در تصرفاتِ قولی و فعلی مختار و مجاز باشد در رنگِ عبدِ
ماذون، دریں مقام کہ مقامِ تخلق باخلاق اللہ است صاحب
ارادہ ہرچہ خواہد برائے دیگراں خواہد خواست، و نفعِ دیگراں منظور
خواہد داشت نہ مصالحِ نفسِ خود، کَمَا ھُوَ حَالُ اِرَادَۃِ الْوَاجِبِ تَعَالٰی
بَلْ شَأْنُہُ الْمُقَدَّسُ اَعْلٰی۔ و لازم نیست بلکہ جائز نیست کہ ایں صاحب
ارادہ ہرچہ خواہد بوقوع آید کہ شرک ست و بندگی آں را برنتابد۔ حضرتِ
حق سبحانہ و تعالیٰ حبیبِ خود را علیہ و علیٰ آلہ الصلوۃ والسلام
می فرماید "اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ"
ہرگاہ ارادتِ سید البشر در توقف افتد دیگراں را چہ مجال۔ و ایضاً
لازم نیست کہ جمیع مراداتِ ایں صاحب ارادت مرضیِ حق سبحانہ
تعالیٰ و تقدس۔ والا بر بعضے افعال و اقوالِ آں سرور علیہ و علیٰ آلہ
الصلوات والتسلیمات اعتراض از حق سبحانہ نازل نمی شد، کما قال
سبحانہ "مَا کَانَ لِنَبِیٍّ" الآیۃ۔ و عفو را نیز گنجائش نیست، کما قال تعالیٰ
"عَفَا اللّٰہُ عَنْکَ" چہ عفو در تقصیرات متصور ست با آنکہ جمیع مراداتِ حق

جلّ و علا مرضیاتِ حق سبحانہ ہستند، کالکفر والمعاصی۔

۴۵ - منہا امام من درین کار کلام اللہ است، و سِرّش درین
(۱) فی امر قرآن مجید، و اگر ہدایتِ قرآن نمی بود راہے بجانب عبادتِ معبودِ حق نمی کشود
درین راہ ہر لطیف والطف ندائے "انا اللہ" می رسد و در وسوسۂ راہ را
گرفتارِ پرستشِ خود می سازد، اگر چون ست خود را بصورتِ بیچونی وا می نماید،
و اگر تشبیہ است خود را بہیئتِ تنزیہ جلوہ گر می گرداند۔ درین جا امکان
بوجوب ممتزج است، و حدوث بقِدَم مختلط۔ اگر باطل است بصورتِ
حق ہویداست، و گر ضلالت است بشکلِ ہدایت پیدا۔ بیچارہ سالک
حکمِ مسافرِ اعمٰی دارد کہ بہر یکے "ھٰذَا رَبِّیْ" گویان شدہ می آید۔ حضرتِ حق
سُبْحَانَہٗ وَتَعَالیٰ خود را بہ "خَالِقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" می ستاید،
"وَرَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ" می فرماید، و در وقتِ عروج چون این صفات
را بر آلہۂ متخیلہ عرض نمودہ شد بے اختیار ابا نمودند، و بعد زوال آوردند:
لاجرم "لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ" گویان شدہ از ہمہ تافت، و قبلۂ توجہ جز
ذاتِ واجب الوجود نساخت۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ہَدٰنَا لِھٰذَا وَمَا
کُنَّا لِنَہْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ ہَدٰنَا اللّٰہُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ۔

۴۶ - منہا ما چہار کس بودیم در ملازمتِ خواجۂ خود، کہ
پیشِ مردم درمیانِ سائر یاران امتیاز داشتیم۔ ہر کدام ما را نسبت
بحضرتِ خواجہ اعتقاد علیحدہ بود و معاملہ جدا۔ این فقیر یقین می داشت
کہ مثلِ این صحبت و اجتماع و مانندِ این تربیت و ارشاد بعد از زمانِ

آں سرور علیہ و علیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات ہرگز بوجود نیامدہ است۔ و شکر ایں نعمت بجای آوردکہ اگرچہ بشرف صحبت خیر البشر علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام مشرف نشد بارے از سعادت ایں صحبت محروم نماند۔ حضرت خواجہ ما از احوال آں سہ دیگر چنیں می فرمودند کہ فلانے مرا صاحب تکمیل می داند اما صاحب ارشاد نمی پندارد۔ و نزد او مرتبۂ ارشاد زیادہ از تکمیل بود، و فلانے بما کارے ندارد۔ و آں دیگر را می فرمودند کہ نسبت بما انکار ندارد، و ہر کدام ما را با ندازۂ اعتقاد بہرہ رسید۔

باید دانست کہ اعتقادِ مرید بافضلیت پیر و اکملیت او از ثمرات صحبت است، و از نتائج مناسبت کہ سبب افادہ و استفادہ است۔ اما باید کہ پیر را بر جماعتے کہ فضل آنہا در شرع مقرر است فضل ندہد کہ موجب افراط است در محبت۔ و آں مذموم است۔ شیعہ را خرابی از افراط محبت اہل بیت آمدہ، و نصاریٰ از افراط محبت حضرت عیسیٰ را علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام ابن اللہ خواندہ اند و در خسارتِ ابدی ماندہ۔ لیکن اگر بر سوائے اینہا فضل بدہد مجوز است، بلکہ در طریقت واجب۔ و ایں فضل دادن نہ باختیار مرید است بلکہ اگر مرید مستعد است بے اختیار روئے ایں اعتقاد پیدا می گردد، و بوسیلۂ آں کمالات پیر را اکتساب می فرماید۔ اگر ایں فضل دادن باختیار مرید باشد و بتکلف پیدا کند مجوز نباشد و نتیجہ نہ بخشد۔

۴۷ - منها: درجهٔ علیا در نفی و اثبات کلمهٔ طیبهٔ لا اله
الّا الله آن ست که هرچه بدید و دانش و کشف و شهود در آید
هرچند تنزیه صرف و بے کیف محض نماید این همه در تحت لا داخل شود
و در جانب اثبات غیر از تکلم بکلمهٔ مستثنی که بمواطات قلب صادر
گردد نصیبے نباشد ؎

عنقا شکار کس نشود دام باز چین
کانجا همیشه باد بدست ست دام را

وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰى عَلَيْهِ وَ
عَلٰى آلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ۔

۴۸ - منها: حقیقت قرآنی و حقیقت کعبهٔ ربانی فوق حقیقت
محمدی ست علی مظهرها الصلوة والسلام والتحیة، لهذا حقیقت
قرآنی امام حقیقت محمدی آمد و حقیقت کعبهٔ ربانی مسجود حقیقت محمدی
گشت، مع ذلک حقیقت کعبهٔ ربانی فوق حقیقت قرآنی است. آنجا
همه بے صفتی و بے رنگی ست، و شیون و اعتبارات را در آن موطن گنجائش
نیست، تنزیه و تقدیس را در آن حضرت مجال نه۔ ع

آنجا همه آنست که برتر ز بیان ست

این معرفتے است که هیچ کے از اهل الله بآن لب نگشاده است
و در رمز و اشارت هم از آن معرفت سخن نرانده۔ این درویش را باین معرفت
عظمی مشرف ساخته اند و از میان ابنائے جنس ممتاز گردانیده، کل
ذٰلِكَ بِصَدَقَةِ حَبِيْبِ اللّٰهِ وَبَرَكَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهِ الصَّ

[illegible]

الصَّلَوَاتِ اَفْضَلُهَا وَمِنَ التَّسْلِيْمَاتِ اَكْمَلُهَا۔

باید دانست کہ صورتِ کعبہ ہمچناں کہ مسجودِ صُوَرِ اشیاست، حقیقتِ کعبہ نیز مسجودِ حقائقِ آں اشیاست، وَ اَقُوْلُ قَوْلًا عَجِيْبًا لَمْ يَسْمَعْهُ اَحَدٌ وَّمَا اَخْبَرَ بِهٖ مُخْبِرٌ بِاِعْلَامِ اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ وَاِلْهَامِهٖ تَعَالٰى اِيَّايَ بِفَضْلِهٖ وَكَرَمِهٖ، آنکہ بعد از ہزار و چند سال از زمانِ رحلتِ آں سرور عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّحِيَّاتُ زمانے می آید کہ حقیقتِ محمدی، از مقامِ خود عروج فرماید و بمقامِ حقیقتِ کعبہ متحد گردد ایں زمان حقیقتِ محمدی حقیقتِ احمدی نام یابد و مظہرِ ذاتِ احد جل سلطانہ گردد، و ہر دو اسمِ مبارک بمسمیٰ متحقق شود، و مقامِ سابق از حقیقتِ محمدی خالی ماند تا زمانے کہ حضرتِ عیسیٰ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام نزول فرماید، و عمل بشریعتِ محمدی نماید عَلَيْهِمَا الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ وَالتَّحِيَّاتُ، دراں وقت حقیقتِ عیسوی از مقامِ خود عروج فرمودہ بمقامِ حقیقتِ محمدی کہ خالی ماندہ بود استقرار کند۔

۴۹- منہا اگر کلمہ طیبہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ نمی بود، راہ بجنابِ قدسِ خداوندی جل سلطانہ کہ می نمود، و نقاب از چہرۂ توحید کہ می کشود، و فتح ابوابِ جنان کہ می فرمود، کوہ کوہ صفاتِ بشری باستعمالِ کلمۂ ایں لا کندہ می شود، و عمرہا تعلقات بہ برکتِ تکرارِ ایں نفی منتفی می گردد، و نفیِ آلہہ باطلہ را متضمن می سازد، و اثباتِ آں معبود برحق را جل شانہ مثبت می سازد۔ سالک مدارجِ امکانی را بمدد و

سہ کوہ کوہ ... [illegible]

قطع می نماید و عارف معارج وجوبی برکت او ارتقا می فرماید او ست که از تجلیات افعال بتجلیات صفات می برد و از تجلیات صفات تجلیات ذات می رساند ؎

تا بجاروب لا نروبی راه　　نرسی در سرائے الا الله

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ اَتَمُّهَا وَاَکْمَلُهَا۔

۵۰۔ منها حضرت مخدوم شیخ شرف الدین منیری در مکتوبات خود نوشته اند که معوذتین را در نماز فرض نباید خواند که ابن مسعود رضی الله تعالی عنه در قرآنیت این دو سوره مخالف جمهور است۔ پس در فرض قطعی قرات آن دو سوره محسوب نباید کرد۔ و این فقیر هم نمی خواند تا آنکه روزے برین تقریظ بر ساختند که گویا معوذتین حاضر اند و از مخدوم در باب منع قرات تنها در فرض شکایت دارند که ما را از قرآن اخراج می نماید۔ از ان زمان از ان منع ممتنع گشته و شروع در قرات تنها در فرض نمودم ہر مرتبه که آن دو سوره کریمه را در فرض می خوانم احوال عجیبه مشاہده می نمایم، و ایضاً که چون بعلم شریعت رجوع نموده ایم منع قرات آن دو سوره را در فرض وجہے پیدا نمی شود، بلکه شبه اند ضعف است در قطعیت این حکم مجمع علیه که مَا بَیْنَ الدَّفَّتَیْنِ قُرْاٰنٌ۔ با آنکه ضم سوره از واجبات است که ظنی ست۔ پس منع قرات دو سوره را اگرچه ظنی باشند وَلَوْ عَلٰی فَرْضِ الْمُحَالِ، ہیچ وجه نباشد که

ورائے آنہا بطریق ضم باقی محال است، فالعجب من شیخ مقتدی مثل هذا الکلام کل العجب والصلوٰة والسلام علیٰ سید البشر وآله الاطهر۔

۵۱. منها ـ خذدا افراد طریق صوفیه بلکه از ملت اسلام کسے راست که فطرت تقلید و جبلت متابعت در وے بیشتر است۔ مدار کار اینجا بر تقلید است، ومنشاء امر درین موطن بر متابعت تقلید انبیاء علیهم الصلوات والتسلیمات بدرجات علیا می رساند، ومتابعت ایشان بمعارج عظمیٰ می برد۔ ابوبکر چون این فطرت را بیشتر داشت بے توقف بسعادت تصدیق نبوت مسارعت فرمود ورئیس صدیقان آمد، وابوجهل لعین چون استعداد تقلید وتبعیت کمتر داشت، بآن سعادت مستسعد نگشت و بشقوت مقرون شد

مرید ہمگان را کہ مرید، تقلید پیر خود می باید، خطائے پیر بهتر از صواب مرید است۔ ازین جاست که ابوبکر طلب سهو پیغمبر علیه الصلوٰة والسلام می نماید که "یا لیتنی کنت سهو محمد" و حضرت پیغمبر در شان بلال فرموده اند که "سین بلال عند الله شین"۔ که بلال عجمی بود در اذان اشهد می گفت سین مهمله و نزد حق عزوجل سین او شین اشهد است۔ پس خطائے بلال بهتر از صواب دیگران باشد۔

ع ز اشهد تو خنده زند اسهد بلال

از عزیزے شنیدم که می گفت بعضے زاد عمه که از مشائخ

نوح است علیٰ نبینا و علیه الصلوة والسلام و مقام حضرت نوح در مقام صفت بصیر بوده برابر مقام حضرت ابراهیم است، اما حضرت ابراهیم را دران مقام شأن خاص است و حضرت تصرف که دیگرے را نیست، بلکه ولادت همه ایشان را درین مقام بر حسب نسبت بتخصیص خاص، و حضرت آدم بعد از حضرت نوح است، علیٰ نبینا و علیٰ جمیعهم الصلوات والتسلیمات. هٰذا ما اعطانی ربی و الهمنی بفضله و کرمه والعلم عند الله سبحانه.

۵۳ - منها — کسے که سیر او در بعضی اسماء و صفات افتاده بوده وصول او بحضرت ذات جل سلطانه مسدود گشت، چه اسماء و صفات را نهایت نیست، تا بعد از قطع آنها بمقصد اقصیٰ تواند رسید. مشائخ ازین مقام خبر داده اند که مراتب وصول را نهایت نیست، زیرا که کمالات محبوب نهایت ندارد، و مراد از وصول این جا وصول اسمائی و صفاتی است. سعادتمند کسے است که سیر او در اسماء و صفات بطریق اجمالی واقع شده و بسرعت واصل حضرت ذات تعالیٰ و تقدس گشته. و اصحاب ذات را بعد از وصول بنهایت النهایت رجوع دعوت لازم است، و عدم رجوع ایشان از آن موطن متصور نه، بخلاف متوسطان که بعد از وصول ایشان بنهایت استعداد خود رجوع لازم نیست، تواند بود که رجوع نمایند و تواند بود که اقامت ورزند. پس مراتب وصول منتهیان را تمام متصور است بلکه لازم، و مراتب وصول متوسطان را که تفصیل اسمائی و صفاتی رفته اند نهایت نه،

و دانستن این علم از جملهٔ علوم مخصوصهٔ این فقیر است. وَالعِلمُ عِندَ اللهِ سُبحَانَهٗ.

۵۴. منها مقام رضا فوق جمیع مقامات ولایت است، و حصولِ این مقامِ عالی بعد از تمامیٔ سلوک و جذبه است، اگر بپرسند که رضا از ذاتِ حق سبحانه و از صفاتِ وی تعالیٰ و از افعالِ او سبحانه واجب است و در نفسِ ایمان ماخوذ، پس عامهٔ مؤمنان را از آن چاره نبود، پس حصولِ آن را بعد از تمامیٔ سلوک و جذبه معنی چه باشد؟

در جواب گوییم که رضا را صورتی است و حقیقتی، در رنگِ سایرِ ارکانِ ایمان، در اوائل تحققِ صورت است، و در نهایت تحققِ حقیقت، و چون منافیِ رضا ظاهر نشود ظاهرِ شریعت حکم بحصولِ رضا می فرماید. در رنگِ تصدیقِ قلبی که چون منافیِ تصدیق یافته نشود حکم بحصولِ تصدیق می کنند، وَمَا نَحنُ بِصَدَدِهٖ حُصُولُ حَقِیقَةِ الرِّضَا لَا صُورَتِهٖ وَاللهُ سُبحَانَهٗ اَعلَمُ.

۵۵. منها سعی باید کرد که عمل بسنت میسر شود و اجتناب از بدعت علی الخصوص بدعتی که رفعِ سنت نماید، قَالَ عَلَیهِ الصَّلوٰةُ وَالسَّلَامُ مَن اَحدَثَ فِی دِینِنَا هٰذَا فَهُوَ رَدٌّ. عجب می آید از حالِ جماعتی که در دین با وجودِ کمال و اتمامِ آن چیزها احداث می کنند و آن محدثات را تکمیلِ دین می جویند، و باک ندارند از آنکه مبادا این مخترع رافعِ سنت شود. مثلاً ارسالِ فش بین الکتفین سنت است، جمعی ارسالِ فش را در جانبِ یسار اختیار کرده اند و باین عمل تشبه بموتیٰ منظور داشته،

وخلق کثیر بایشان درین فعل اقتدا نموده، ندانسته اند که این عمل رفع سنت می نماید واز سنت به بدعت می برد وبحرمت می رساند، تشبه بمحمد رسول الله صلی الله تعالی علیه وآله وسلم بهتر ست یا تشبه بموئی او صلی الله تعالی علیه وآله وسلم که مشرف شده بموئے که پیش از موت است، اگر تشبه بمیت جویند هم باو سزاوار ست۔

عجب کاراست که در کفن میت عمامه هم بدعت ست، چه جائے قمیص او، وبعضے از متاخران که عمامه در کفن میت که از علما باشد مستحسن داشته اند نزد فقیر زیادتی کردن نسخ ست، ونسخ عین رفع، ثبتنا الله سبحانه علی متابعة السنة النبویة المصطفویة علی مصدرها الصلوٰة والسلام ویرحم الله عبدا قال آمینا۔

۵۲۔ **منها** روزے احوال جنیان را برین درویش منکشف ساختند، دید که جنیان در کوچها بسنگ مردم می گردند، وبرسر هر جن فرشته است موکل، وآن جن از ترس موکل خود سر نمی تواند برداشت، دیمین ویسار خود نظر نمی تواند انداخت، در رنگ مقیدان ومحبوسان می گشتند واصلا مجال مخالفت نداشتند، اِلَّا اَنْ یَّشَاءَ رَبِّیْ شَیْئًا۔ ودران وقت چنان معلوم می شد که گویا بدست موکل گرز یست آهنی، که اگر از جن اندک مخالفت احساس نماید بیک ضرب کار او را کفایت کند۔ ؎

خدائے که بالا وپست آفرید
زبردست هر دست دست آفرید

۱؎ یعنی نیابت بعد حسن نسخ آن نموده است ونسخ آن عین بدعت است

٥٧۔ منہا ولی ہر کمالے کہ می یابد و بہ ہر درجہ کہ می رسد بطفیلِ متابعتِ نبیِّ خود ست علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ اگر متابعت نبی نمی بود نفسِ ایمان روئی نمی نمود، و راہ درجاتِ علیا از کجا می کشود۔ پس اگر ولی را فضلے از فضائلِ جزئیہ حاصل شود کہ نبی را حاصل نبودہ، و درجۂ خاص از درجاتِ علیا میسر شود کہ نبی آں را نداشتہ باشد، نبی را نیز ازاں فضلِ جزئی و ازاں درجۂ خاص نصیبِ کامل ست، چہ حصولِ آں کمال بواسطۂ متابعتِ آں نبی است و نتیجہ ایست از نتائجِ متابعتِ او، پس ناچار نبی را ازاں کمال بہرۂ تمام باشد۔ قَالَ عَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهٗ اَجْرُهَا وَاَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا۔ لیکن ولی در حصولِ ایں کمال سابق ست، و در وصول بایں درجہ مقدم، و ایں قسم فضلِ ولی را بر نبی جائز داشتہ اند کہ جزئی ست کہ مجالِ معارضہ بکلی ندارد، و آنچہ صاحبِ فصوص می گوید کہ خاتم نبوت علوم و معارف را از خاتم الولایت اخذ می کند، راجع بایں معرفت ست کہ ایں فقیر آں را ممتاز ساختہ اند و سراسر موافقِ شریعت است، و شراحِ فصوص در تصحیحِ آں تکلف نمودہ اند و گفتہ اند کہ خاتم الولایت خزینہ دارِ خاتم النبوت است، اگر پادشاہ از خزینۂ خود چیزے بگیرد ہیچ نقص لازم نیاید، وَحَقِیْقَةُ الْاَمْرِ مَا حَقَّقْتُهٗ وَمَنْشَأُ التَّکَلُّفِ عَدَمُ الْوُصُوْلِ بِحَقِیْقَةِ الْمُعَامَلَةِ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ اَعْلَمُ بِحَقَائِقِ الْاُمُوْرِ کُلِّهَا وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْبَشَرِ وَاٰلِهِ الْاَطْهَرِ۔

سیّما و مِنْ بَعْدِ هٰذَا مَا یَرِقُّ صِفَاتُهُ ؛ وَمَا کَلِمَةٌ اَحْظٰی لَدَیْهِ وَاَجْمَلَ
وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی
اٰلِهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ.

۶۰. منها حضرت حق سبحانه وتعالیٰ از مثل منزه است
لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ. اما مثال جائز داشته‌اند و مثل تجویز نموده وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ
الْاَعْلٰی. ارباب سلوک و اصحاب کشوف را تسلی بمثال می دهند و آرام
بحیران می بخشند بے چون را بمثال چون و می نمایند، و وجوب را بصورت
امکان جلوه گری سازند. بیچاره سالک مثال را عین ذی مثال می داند
و صورت را عین ذی صورت. ازیں جاست که صورت احاطه حق سبحانه وتعالیٰ
را در اشیا می بیند، و مثال آن احاطه را در عالم مشاهده می نماید و خیال
می کند که مشهود حقیقت احاطه حق است سبحانه چنین است، بلکه احاطه
او تعالیٰ بے چون و بے چگون ست و منزه است، از آن که در شهود در آید
و مکشوف احدے گردد. و ایمان آریم که او سبحانه محیط است به همه اشیا
احاطه او ندانیم که چیست. و آنچه دانیم شبه و مثال آن احاطه است،
و هم بریں قیاس است قرب او تعالیٰ و معیت او سبحانه که مشهود و مکشوف
از آنها شبه و مثال است، نه حقیقت، بلکه حقیقت آنها مجهول الکیفیت
است. ایمان آریم که او تعالیٰ قریب است و با ماست، اما ندانیم که حقیقت
قرب و معیت او تعالیٰ چیست. و تواند بود که آنچه در حدیث نبوی آمده،
عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ، تَجَلّٰی رَبُّنَا ضَاحِکًا ؕ

باعتبارِ صورتِ مثالی باشد. چه حصولِ کمالِ رضا در مثال بصورتِ ضحک نموده باشد، و اطلاقِ ید و وجه و قدم و اصبع نیز تواند بود که باعتبارِ صورتِ مثالی باشد. هٰذَا اَعْلَمَنِیْ رَبِّیْ وَاللّٰهُ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ. وَصَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَسَلَّمَ وَبَارَكَ.

۶۱- **منها** اگر در عباراتِ آن عالی حضرت که در بیانِ احوال و مواجید و علوم و معارف ست تناقض و تدافع مفهوم گردد و حمل بر اختلافِ اوقات و تنوعِ اوضاع باید نمود، چه در هر وقتے احوال و مواجید علیحده است و در هر وضعے علوم و معارف جدا ست، پس فی الحقیقت تناقض و تدافع نباشد. مثل این مثلِ احکامِ شرعیه است، که بعد از نسخ و تبدیل احکام متناقضه می مانند، و چون اختلافِ اوقات و اوضاع را ملاحظه نموده آید آن تناقض و تدافع مرتفع می گردد. وَلِلّٰهِ سُبْحَانَهٗ حِکَمٌ وَعَجَائِبُ فِیْ ذٰلِكَ فَلَا تَکُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِیْنَ وَصَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَسَلَّمَ وَبَارَكَ.

قَالَ الْعَبْدُ الضَّعِیْفُ جَامِعُ هٰذِهِ النُّکَاتِ الْبَدِیْعَةِ الرَّائِعَةِ مُحَمَّدُ نِ الصِّدِّیْقُ الْبَدَخْشِیُّ الْکِشْمِیُّ الْمُلَقَّبُ بِالْهِدَایَةِ- قَدْ تَمَّ الْفَرَاغُ عَنْ تَسْوِیْدِ هٰذِهِ الْمَعَارِفِ الْعَالِیَةِ الشَّرِیْفَةِ الْمُسَمّٰی بِالْمَبْدَأِ وَالْمَعَادِ فِیْ اَوَاخِرِ شَهْرِ رَمَضَانَ الْمُبَارَكِ حِیْنَ الْاِعْتِکَافِ سَنَةَ اَلْفٍ وَّتِسْعَةَ عَشَرَ-

رباعی

این نسخه که مبدأ و معاد ست بنام — زالطاف نفیس حضرت فخر کرام
چون کرد بدایت اقتباس از تحسین — درسال هزار و نوزده گشت تمام ۱۰۱۹

صدیق بدیع که سدّ چرخ بکام — ما کہ زصدق شد بدایت و ختام
زین خود چه عجب و بیک گنج بہ بست — کز جوش شراب احمدی یافته نام

تمت

از

حضرت مولانا حاجی حافظ سید نادر حسین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مؤلف عمدۃ السلوک، عمدۃ عقد وغیرہ

نوٹ: اردو ترجمے کے حاشیے پر اصل فارسی صفحات کے نمبر دیئے گئے ہیں تاکہ قارئین کرام بوقتِ ضرورت اصل متن سے مطابقت کر سکیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خطبہ[1] اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فِي الْمَبْدَءِ وَالْمَعَادِ وَاُصَلِّي عَلٰى حَبِيْبِهِ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهِ
الْاَمْجَادِ (یعنی میں ابتداء اور انتہا میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی حمد کرتا ہوں اور اس کے
حبیب محمد (مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ کی بزرگ اولاد پر درود بھیجتا ہوں۔)

حمد وصلوٰۃ کے بعد عرض ہے کہ یہ ایک پُر فضیلت رسالہ ہے
جو لطیف و خوش آئند اشارات اور دقیق و بلند مرتبہ اسرار پر مشتمل ہے
اس کے مصنف بہت بڑے امام، بندوں پر اللہ کی حجت، اقطاب اور

[1] (نوٹ یہ خطبہ سیفی مرحوم اور ادارہ سعدیہ مجددیہ لاہور کے مطبوعہ نسخوں میں حاشیہ پر درج ہے جس کا ترجمہ ملاحظہ ہو)

سب تعریف اللہ تعالیٰ کیلئے ہے جس نے ہم پر انعام کیا اور ہم کو اسلام کی طرف ہدایت دی اور ہمیں
حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں بنایا۔ حمد وصلوٰۃ کے بعد عرض ہے کہ یہ بلند
معرفتیں ہیں جو بہت بڑے امام اولیاء واصفیاء کے پیشوا اقطاب ابدال کے قبلہ افادہ وافاضہ
پر عمل کرنے والے، ہمارے شیخ اور امام حضرت شیخ احمد فاروقی نقشبندی اللہ تعالیٰ ان کے سایہ کو
طالبین کے سروں پر دراز فرمائے۔ کے پاک نفوس سے اقتباس کئے گئے ہیں جو کہ اس حقیر ادنیٰ ترین بندہ
اس درگاہ عالیہ کے خادم محمد صدیق بدخشی جس کا لقب ہدایت ہے، جمع کرکے تحریر کے احاطہ میں
لایا ہے۔ امید ہے کہ یہ معارف حقیقت کے راستوں پر چلنے والے سمجھدار لوگوں کی سمجھ کی قوت کو
بڑھانے والے ہوں گے اور ہر شخص اپنی قابلیت کے مطابق ان سے نفع حاصل کریگا۔ واللہ المستعان
علی ما تصفون۔ (اور جو تم بیان کرتے ہو اس پر اللہ تعالیٰ مدد فرمائے)۔

اوتاد کے پیشوا، ابدال اور افراد کے قبلہ، سبع مثانی (یعنی سورۃ فاتحہ) کے اسرار و رموز کو وضاحت کے ساتھ بیان فرمانے والے، حضرت مجدد الفِ ثانی، اویسی، رحمانی، عارفِ ربانی، اسلام اور مسلمانوں کے شیخ، ہمارے شیخ، اور ہمارے امام شیخ احمد جو نسباً فاروقی، مذہباً حنفی اور مشرباً نقشبندی ہیں، حق سبحانہٗ وتعالیٰ ان کی ہدایت کے آفتابوں کو بلندی کے افق پر ہمیشہ تاباں رکھے اور لوگ ان کے فیوض و برکات کے چمنستان میں ہمیشہ مصروفِ گلگشت رہیں۔ وَاللّٰہُ الْمُسْتَعَانُ وَعَلَیْہِ التُّکْلَانُ۔

(ترجمہ: اللہ ہی مددگار ہے اور اسی پر بھروسہ ہے)۔

۱۔ منہا (منجملہ ان اشارت کے۔ یہ کہ)

جذبہ و سلوک کا حصول | جب اس فقیر (یعنی خود بنفسِ نفیس حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ) کو اس راہ (سلوک) کا شوق پیدا ہوا تو حق تعالیٰ جل سلطانہٗ کی عنایت نے مجھے سلسلۂ حضرات نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے ایک بزرگ خلیفہ (حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ) کی خدمت میں پہنچا دیا۔ وہیں سے میں نے ان بزرگوں کے طریقے کو اخذ کیا اور اُن بزرگ کی صحبت اختیار کی۔ ان بزرگ کی توجہ کی برکت سے حضرات صد خواجگانِ نقشبندیہ کا وہ جذبہ جو صفتِ قیومیت میں کمالِ فنا حاصل ہونے سے پیدا ہوتا ہے، اس فقیر کو حاصل ہوا اور اندراجِ انتہا یت فی البدایت سے بھی کسی قدر سیرابی نصیب ہوئی۔ جب یہ جذبہ اچھی طرح پختہ ہوگیا تو سلوک میں مجھے قرار حاصل ہوا، اور میں نے اس راہ کو مشیرِ خدا

حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی روحانی تربیت کے درجہ نہایت تک پہنچایا۔ بیانِ عروج و تائید یعنی مجھے اس مرتبہ تک عروج حاصل ہوگیا جو میرا مرتبہ حضرات خلفاء میں تھا یعنی پرورش کنندہ تھا۔ اور پھر حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ کی روحانیت کی مدد سے اس امر سے قابلیت اولیٰ کے درجے تک عروج حاصل کیا جسے حقیقت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ . . . . اور پھر اس کے بعد مجھے حضرت فاروق عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روحانی دستگیری سے اُس قابلیت اولیٰ سے بھی بلندی نصیب ہوئی۔ وہ وہاں سے پھر ایسی مقام تک پہنچ گیا جو اُس قابلیت سے بھی بلند ہے۔ یوں سمجھنا چاہیے کہ یہ قابلیت گویا اس مقام کی خصوصی تفصیل ہے اور وہ مقام اس کا اجمال ہے۔ یہ مقام، اقطاب محمدیہ کا مقام کہلاتا ہے۔ وہ اس نقیر کو اس مقام تک ترقی حضرت ختمی مرتبت علی صاحبہا الصلوۃ والسلام والتحیۃ کی روحانی تربیت سے حاصل ہوئی۔ اس مقام تک پہنچنے کے وقت اس نقیر کو حضرت خواجہ علاؤ الدین عطار قدس سرہ کی روحانیت سے بھی ایک گونہ امداد حاصل ہوئی۔ جو حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ تعالیٰ اسرارہ

ؔلہ حضرت خواجہ علاؤ الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کا نام نامی محمد بن محمد ہے۔ حضرت خواجہ نقشبند کے اجل خلفاء میں سے تھے۔ چنانچہ اپنی حیات ہی میں خواجہ بزرگ نے اپنے بہت سے مریدوں کی ہدایت کا کام آپ کو سپرد کر دیا تھا۔ علم شریعت میں بھی کامل تھے اور اتباعِ سنت اور عمل میں عزیمت پر ایک خاص شان رکھتے تھے۔ ۲۰ رجب ۸۰۲ھ کو بروز چہار شنبہ وقت شب وفات ہوئی مزار پر برکت موضع جغانیان ماوراء النہر میں ہے۔

کے خلیفہ اور خود قطبِ ارشاد ہیں۔ اقطاب کا منصب عروج اسی مقام
تک ہے اور دائرۂ ظلیت بھی اسی مقام تک پہنچ کر ختم ہو جاتا ہے اس
کے بعد اصلِ خالص کا مقام ہے۔ اصل اور ظل سے ہوئے ہیں۔ افراد کی ایک
جماعت کو اس دولت تک پہنچنے کا امتیاز حاصل ہے۔ بعض اقطاب کو
بھی افراد کی صحبت کے ذریعے اس مقام ممزوج (یعنی اصل ظل آمیز) تک
عروج حاصل ہو جاتا ہے یہاں انھیں اس اصل ظل آمیز (ممتزج بظل) کا صـ۱۱
مشاہدہ میسر ہوتا ہے لیکن اصلِ خالص تک پہنچ پانا اور اصلِ خالص کا
بغیر پردہ حجاب مشاہدہ کرنا صرف افراد کا خصوصی حصہ ہے۔ ذٰلِكَ
فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۝

(یعنی یہ خدا کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ اور اللہ بہت ہی بڑے
فضل والا ہے)۔

اور اس فقیر کو اس مقام تک پہنچ جانے کے بعد جو اقطاب کا مقام
کہلاتا ہے سیدنا و مولانا علیہ من الصلوات والتسلیمات ابرکات والتحیات
النامیات کی جانب سے قطبیتِ ارشاد کی خلعت عطا ہوئی، اور مجھے
اس منصب پر سرفراز فرمایا گیا۔ اس کے بعد پھر عنایتِ خداوندی جل شانہ و
عم احسانہ شاملِ حال ہوئی تو اس مقام سے مزید بلندی کی طرف متوجہ فرمایا
گیا چنانچہ ایک مرتبہ اصلِ ظل آمیز تک رسائی حاصل ہوئی اور اس مقام
میں بھی گزشتہ مقامات کی طرح فنا اور بقا نصیب ہوئی، اور پھر وہاں سے
اصل کے مقامات تک ترقی عطا فرمائی گئی تھی کہ اس فقیر کو مقام

اصل الاصل تک پہنچا دیا گیا۔ اس آخری عروج میں جو کہ مقامات اصل کا عروج ہے اس فقیر کو حضرت غوث الاعظم محی الدین شیخ عبد القادر قدس اللہ تعالیٰ سرہ الاقدس کی روحانیت کی امداد حاصل رہی اور ان کی قوت تصرف نے ان تمام مقامات سے گذار کر اصل الاصل کے مقام تک واصل فرما دیا اور پھر وہاں سے مجھے اس دنیا کی طرف واپس کر دیا گیا جیسا کہ اس سے پہلے بھی ہر مقام سے واپس کرتے رہے تھے۔

اور اس فقیر کو اس نسبت فردیت کا سرمایہ جس کے ساتھ آخری عروج مخصوص ہے اپنے والد (مخدوم عبد الاحد قدس سرہٗ) سے حاصل ہوا تھا اور میرے والد ماجد کو یہ نسبت اپنے ایک عزیز (بزرگ حضرت شاہ کمال قادری قدس سرہٗ) سے جو جذبۂ قوی کے مالک تھے اور کرامات و خوارق عادات میں مشہور تھے حاصل ہوئی تھی لیکن یہ فقیر اپنی بصیرت کی کوتاہی اور اس نسبت کے محض کاملے ظہور پذیر ہونے کی وجہ سے سلوک کی منزلیں طے کر لینے سے پہلے تک اس نسبت کو اپنے اندر نہیں پاتا تھا اور نہ اس بات کا قطعی کوئی علم تھا کہ یہ نسبت مجھے حاصل ہے۔ نیز اس فقیر کو عبادات نافلہ خصوصاً نفل نمازیں ادا کرنے کی توفیق بھی والد ماجد ہی کی مدد سے حاصل ہوئی تھی اور میرے والد بزرگوار کو یہ سعادت اپنے شیخ (یعنی حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہیؒ اور ان کے صاحبزادے شاہ رکن الدین قدس سرہما) سے حاصل ہوئی تھی جو چشتیہ سلسلہ سے تعلق رکھتے تھے۔

مـ ۱۲

علمِ لدنی کا حصول نیز اس فقیر کو علومِ لدنی کی توفیق حضرت خضر علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی روحانیت سے حاصل ہوئی لیکن یہ صورت حال اس وقت تک ہی رہی جب تک کہ میں مقامِ اقطاب سے نہیں گزر گیا۔ مگر اس مقام سے گذر جانے اور بلند تر مقامات میں ترقیاں حاصل کر لینے کے بعد علوم کا حصول خود اپنی حقیقت سے ہونے لگا، یعنی علوم اپنی ذات میں خود بخود اپنی ذات ہی سے حاصل ہونے لگے، کسی غیر کی مجال نہ رہی کہ وہ درمیان میں آسکے۔

بیانِ نزول و تائید مشائخ سلاسلِ مختلفہ اور نیز اس فقیر کو نزول کے وقت میں جس کو سیر عن اللہ باللہ سے تعبیر کیا جاتا ہے، دوسرے سلسلوں کے مشائخ کے مقامات پر بھی عبور حاصل ہوا اور ہر مقام سے میں نے کافی حصہ حاصل کیا۔ اور ہر مقام کے مشائخ میرے کام میں معاون و مددگار ہوئے اور انھوں نے اپنی اپنی نسبتوں کے بہترین انتخابات سے ایک بڑا حصہ مجھے عطا فرمایا۔ سب سے پہلے اکابر چشتیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے مقام پر عبور حاصل ہوا اور اس مقام سے ایک بہت بڑا حصہ مجھے نصیب ہوا ان مشائخ عظام میں سے حضرت خواجہ قطب الدین کی روحانیت نے دیگر مشائخ سے کہیں زیادہ میری امداد فرمائی، اور سچ یہ ہے کہ یہ حضرت اس مقام میں بڑی شان کے مالک ہیں، بلکہ اس مقام کے رئیس ہیں۔

اس کے بعد اکابر کبرویہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے مقام پر گذر ہوا، دونوں مقامات عروج کے اعتبار سے مساوی درجہ کے ہیں۔ لیکن یہ مقام

فوق سے نزول کرتے ہوئے اس شاہراہ کے دائیں جانب پڑتا ہے اور پہلا مقام اس صراطِ مستقیم کے بائیں جانب پڑتا ہے۔ اور یہ شاہراہ (یا صراطِ مستقیم) وہ راستہ ہے کہ اقطاب ارشاد میں سے بعض اکابر اسی راستہ سے فردیت کے مقام تک پہنچتے ہیں اور آخری انتہا تک رسائی حاصل کر لیتے ہیں۔ افرادِ تنہا (یعنی بلا وطسینہ) کا راستہ دوسرا ہے۔ بغیر قطب کے اس راہ سے گذرنا ممکن نہیں ہے۔ یہ مقام، مقامِ صفات اور اس شاہراہ کے درمیان میں واقع ہوا ہے۔ گویا کہ یہ مقام ان دونوں مقامات کے درمیان میں ایک برزخ ہے جسے دونوں طرف سے فیوض و برکات کا حصہ ملا ہے اور پہلا مقام اس شاہراہ کے دوسری جانب واقع ہوا ہے جو صفات سے کم مناسبت رکھتا ہے۔

اکابرِ سہروردیہ کے مقام کی خصوصیات

اس کے بعد اکابرِ سہروردیہ کے مقام پر عبور حاصل ہوا جس کے رئیسِ طریقہ حضرت شیخ شہاب الدین قدس سرہ تعالیٰ اسرارہم ہیں۔ یہ مقام اتباعِ سنت کے نور سے آراستہ و پیراستہ ہے، علیٰ مصدرہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ۔ اور مشاہدۂ فوق الفوق (برتر از برتر) کی نورانیت سے مزین ہے اور عبادتوں کی توفیق اس مقام کی رفیق ہے (یعنی اس مقام والوں کو حاصل ہے) بعض سالکوں کو جو ابھی اس مقام تک نہیں پہنچے اور عباداتِ نافلہ میں مشغول اور اس پر مطمئن ہیں انھیں بھی اس مقام کی مناسبت کے ذریعے اس مقام کا کچھ حصہ نصیب ہوا ہے، بلا واسطہ عباداتِ نافلہ اس مقام کے مناسب

ہیں۔ دوسرے لوگ خواہ وہ مبتدی ہوں یا منتہی اسی واسطے اس مقام کے ساتھ مناسبت ہے۔ اور یہ مقام نہایت ہی عجیب و غریب ہے۔ جو نورانیت اس مقام میں مشاہدہ میں آتی ہے دوسرے مقامات میں بہت کم ہے۔ اس مقام کے مشائخ بوجہ کمال اتباع کے نہایت عظیم الشان اور بلند مرتبہ ہیں اور اپنے ہم جنسوں میں پوری طرح پر ممتاز ہیں۔ جو کچھ ان حضرات کو اس مقام میں میسر ہوا ہے وہ دوسرے مقامات میں میسر نہیں ہے۔ اگرچہ عروج کے اعتبار سے وہ مقامات اس مقام سے بلند ہیں۔

مـ ۱۴

نزول بمقام جذبہ اس کے بعد مجھے مقام جذبہ میں نزول حاصل ہوا اس مقام میں بے شمار جذبات کے مقامات شامل ہیں۔ پھر اس مقام سے بھی نیچے نزول ہوا۔ نیچے نزول ہونے کے جو مراتب ہیں ان کی انتہا مقام قلب پر ہوتی ہے جو یک حقیقت جامعہ ہے، اور ارشاد و تکمیل کا تعلق اسی مقام تک نزول ہونے پر ہے۔ چنانچہ مجھے اس مقام پر نزول حاصل ہوا۔ اس سے پیشتر کہ مجھے اس مقام میں قرار و پختگی حاصل ہو پھر ایک عروج نصیب ہوا۔ اس وقت میں نے سایہ کی طرح اصل کو بھی پیچھے چھوڑ دیا۔ اس عروج سے جو مقام قلب میں نصیب ہوا مجھے پوری پختگی حاصل ہو گئی۔ والسلام۔

۲ - منہا

قطب الارشاد اور اس کا فیضان عام قطب ارشاد جو فردیت کے کمالات کا بھی جامع ہوتا ہے، بہت ہی کم پایا جاتا ہے۔ بہت صدیوں اور

زمانوں کے بعد اس انداز کا کوئی جوہر ظاہر ہوتا ہے اور یہ دنیائے تاریک اس کے ظہور کے نور سے منور ہو جاتی ہے۔ اور اس کی ارشاد و ہدایت کا نور ساری دنیا کو محیط ہو جاتا ہے۔ عرش کے دائرے سے زمین کے مرکز تک جس کو بھی رشد و ہدایت، ایمان اور معرفت حاصل ہوتی ہے، اسی کے واسطے سے حاصل ہوتی ہے اور اسی کی ذات سے مستفاد ہوتی ہے، اس کے واسطے کے بغیر کوئی شخص بھی اس دولت تک رسائی نہیں پا سکتا۔ مثال کے طور پر اس کا نور ہدایت ایک بحر بیکراں کی صورت میں پوری دنیا کو اپنے احاطہ میں لئے ہوئے ہوتا ہے۔ اور وہ دریا گویا کہ منجمد (جما ہوا اور بستہ) ہے کہ اس میں مطلقاً کوئی حرکت نہیں جو شخص اس بزرگ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس کے ساتھ اخلاص رکھتا ہے، یا یہ کہ وہ بزرگ خود کسی طلبگار کے حال پر متوجہ ہو جائے تو اس توجہ کے دوران گویا کہ ایک سوراخ اس طلبگار کے دل میں کھل جاتا ہے اور اس راستے سے جسقدر توجہ اور اخلاص ہوتا ہے اسی قدر وہ اس دریا سے سیراب ہوتا جاتا ہے۔ اسی طرح وہ شخص بھی جو ذکر الٰہی جل شانہ کی طرف متوجہ ہے اور اس بزرگ کی طرف متوجہ نہیں ہے، لیکن اس کی یہ بے توجہی کسی انکار کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اس وجہ سے ہے کہ وہ اس بزرگ کو پہچانتا ہی نہیں ہے تو اسی انداز کی فیض رسانی اسے بھی حاصل ہو جاتی ہے لیکن یہ فیض رسانی پہلی صورت میں دوسری صورت سے زیادہ ہوتی ہے۔

قطب الارشاد کا انکار البتہ جو شخص اس بزرگ کا منکر ہو، یا اس بزرگ کو

اس شخص سے کوئی گرانی ہو تو وہ کتنا ہی ذکرِ الٰہی تعالیٰ و تقدس میں مشغول رہا کرے لیکن وہ رشد و ہدایت کی حقیقت سے محروم ہی رہتا ہے، بغیر اس کے کہ وہ بزرگ اس شخص کو فیض نہ پہنچانے کا کوئی ارادہ کرے یا اُسے نقصان پہنچانے کا قصد کرے، اس کا یہ انکار ہی اس کے فیض کی راہ میں رکاوٹ بن جاتا ہے۔ ہدایت کی حقیقت اس کو حاصل نہیں ہوگی جو کچھ حاصل ہے وہ ہدایت کی صورت ہے۔ بلا حقیقت کے صرف صورت سے لوگوں کو بہت کم نفع پہنچتا ہے۔

قطبِ ارشاد سے اخلاص | اور جو گروہ اس بزرگ کے ساتھ اخلاص و محبت رکھتا ہے، خواہ وہ توجہ مذکورہ اور ذکرِ الٰہی تعالیٰ شانہ سے کتنا ہی خالی کیوں نہ ہو ایسے لوگوں کو بھی محض ان کی محبت کی وجہ سے رشد و ہدایت کا نور حاصل ہو جاتا ہے وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی

(جو لوگ ہدایت کی پیروی کریں ان پر سلامتی ہو)۔

۳ ۔ منہا

مقامِ تکمیل | (کارکنانِ قضا و قدر نے) جو دروازہ سب سے پہلے اس فقیر کے لئے کھولا وہ ذوقِ یافت[1] کا تھا۔ یافت کا نہیں تھا۔ دوسرے درجہ میں یافت میسر ہوئی اور ذوقِ یافت گم ہو گیا۔ اور تیسرے درجہ میں ذوقِ یافت کی طرح یافت بھی گم ہو گئی۔ (ذیل میں عربی عبارت کا ترجمہ ملاحظہ ہو)

"پس دوسری حالت (یعنی یافت کا مقام) ولایتِ خاصہ تک پہنچ جانے اور کمال کی حالت ہے اور تیسرا مقام (یعنی جہاں

---

[1] پالینے کا ذوق۔ پالینا۔

ذوق یافت کی طرح یافت بھی گم ہو جاتی ہے) تکمیل کا مقام ہے
یعنی دعوت و ارشاد کے لئے مخلوق کی طرف واپس آجانے کا مقام
ہے۔ پہلی حالت (جس میں صرف ذوق یافت حاصل ہوتا ہے) صرف
جذبہ کی سمت میں کمال ہے۔ لیکن جب اس کے ساتھ سلوک
بھی شامل ہو جائے اور وہ مکمل ہو جائے تو دوسری حالت پھر تیسری
حالت حاصل ہو جاتی ہے۔ لیکن وہ مجذوب جو سلوک سے عاری ملا
ہوتا ہے دوسری اور تیسری حالت سے بالکل کوئی حصہ نہیں ملتا
لہذا خود کامل اور دوسرے کو کامل بنانے والا وہ مجذوب ہے جو سالک
بھی ہو (یعنی مجذوب سالک ہو) اس کے بعد وہ سالک ہے جو
مجذوب بھی ہو (یعنی سالک مجذوب ہو) اور جو ان دونوں کے علاوہ
ہو (یعنی جو محض مجذوب ہو یا محض سالک ہو) وہ ہرگز نہ خود کامل
ہوتا ہے نہ دوسروں کو کامل کرنے والا ہوتا ہے۔ لہذا ان کو تکمیل کا رد
میں سے نہیں۔ اور درود و سلام ہو حضرت خیر البشر سیدنا محمد (صلی اللہ
علیہ وسلم) پر اور آپ کی پاکیزہ آل پر۔

۴ - منہا

نسبت نقشبندیہ ماہ ربیع الثانی کے آخری دنوں میں یہ فقیر ایک بزرگ
(حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ) کی خدمت سے شرف اندوز ہوا جو اس
ہمہ گیر خاندان (نقشبندیہ) کے خلیفہ تھے۔ اور ان بزرگوں کے طریقہ کو حاصل
کر کے اسی سال نصف ماہ رجب میں اس فقیر کو (نقشبندی سلسلے کے)

حضور (قلب) کی سعادت نصیب ہوئی۔ اس مقام میں آغاز میں انجام کی جلوہ فرمائی (اندراجِ نہایت در بدایت) کا منظر درپیش ہوتا ہے۔ ان بزرگ (خواجہ صاحبؒ) نے فرمایا کہ نقشبندی نسبت دراصل اسی حضور (قلب) کا نام ہے اور پورے دس سال اور چند ماہ کے بعد ماہ ذیقعدہ کے نصف اول میں وہ انتہا (نہایت) جو ابتدا (بدایت) ہی میں بے شمار ابتداؤں (بدایات) اور درمیانی درجوں (اوساط) کے بے شمار پردوں کے پیچھے سے جلوہ گر ہوئی تھی، نقاب چاک کر کے عیاناً جلوہ گر ہو گئی۔ اور یہ یقین حاصل ہو گیا کہ آغاز (بدایت) میں جو تجلی نظر آئی تھی وہ اسی اسم کی صورت تھی (جس کی حقیقت اب سامنے آئی ہے) اور وہ اسی پیکر کا ایک سایہ یا پرچھائیں تھی اور اسی مسمی کا ایک اسم تھا۔ ان دونوں (یعنی ابتدا و انتہا) میں بہت بڑا فرق ہے۔ حقیقتِ حال اس مقام پر پہنچ کر منکشف ہوئی اور معاملہ کا راز یہاں پہنچ کر ظاہر ہوا جس نے اس ذوق کو چکھا ہی نہیں وہ اسے ہرگز نہیں سمجھ سکتا!

وَالصَّلوٰةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنَامِ وَاٰلِهِ الْکِرَامِ وَاَصْحَابِهِ الْعِظَامِ

(درود و سلام ہو حضرت سید انام صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کی بزرگ اولاد پر اور اصحابِ عظام پر)۔

۵ - منہا

اظہارِ نعمت وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ (اور جو کچھ تیرے پروردگار کا (تجھ پر) انعام ہوا ہے بیان کر دیا کر)۔ یہ فقیر اپنے دوستوں کے حلقے میں ایک روز بیٹھا ہوا تھا اور اپنی کمزوریوں پر غور کر رہا تھا۔ یہ فکر اس حد تک غالب ہوا!

سمجھی تھی کہ اپنے آپ کو (درویشی کی) اس وضع میں بغیر کامل مناسبت کے محسوس کر رہا تھا۔ اسی عرصے میں بمصداق مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ (یعنی جو اللہ کے لئے انکساری کرتا ہے، خدائے تعالیٰ اسے اور بلند فرما دیتا ہے) ـــ (کارکنانِ قضا و قدر نے) اس دور افتادہ کو ذلت کی خاک سے اٹھایا اور مزید بلند کر دیا) اور میرے باطن میں یہ ندا دی کہ غَفَرْتُ لَكَ وَلِمَنْ تَوَسَّلَ بِكَ اِلَيَّ بِوَاسِطَةٍ اَوْ بِغَيْرِ وَاسِطَةٍ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ (میں نے تجھے بخش دیا اور قیامت تک پیدا ہونے والے ان تمام لوگوں کو بھی بخش دیا جو تیرے وسیلے سے مجھ تک پہنچیں، خواہ یہ وسیلہ بالواسطہ ہو یا بلاواسطہ)۔ اور اسی مضمون کو اس حد تک بار بار دہرانے کی نوازش فرماتے رہے کہ کسی شک وشبہ کی گنجائش باقی نہیں رہی۔ اس نعمت پر حق تعالیٰ سبحانہ کی بے شمار حمد وثنا ہے۔ ایسی حمد وثنا جو پاکیزہ ہو، جس میں برکت ہو، وہ جس کے اوپر بھی برکت ہو، جیسی کہ ہمارا پروردگار پسند فرمائے اور جس سے وہ راضی ہو اور درود وسلام ہو اس کے رسول ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل پر ایسا درود وسلام جو آپ کی شان کے شایاں ہو۔ اس کے بعد مجھے حکم دیا گیا کہ میں اس واقعہ کو ظاہر کر دوں ؎

اگرچہ دستہ بر دیر پیر زن   بباید تو اے خواجہ سبلت مکن

ترجمہ

گر آئے یاد ستہ بڑھیا کے در پر   نہ کر تو عیب جوئی خواجہ اس پہ

اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ (یقیناً میرا رب بڑی وسیع مغفرت والا ہے)۔

۶۔ منہا

سیر الی اللہ ۔ سیر الی اللہ (خدا کی طرف سیر) کا مطلب اسمائے الٰہی جل شانہ میں سے اس اسم تک سیر کرنا ہوتا ہے جو اس سالک کا مبدأ تعین ہے۔ (یعنی جس سے متعین طور پر سالک کے متعلق فیصلہ کیا جاتا ہے کہ وہ حق سبحانہ وتعالیٰ کی کونسی صفت میں سیر کر رہا ہے)۔

سیر فی اللہ ۔ اور سیر فی اللہ سے مراد اس اسم میں سیر کرنا ہے جو اس ذاتِ احدیت کی بارگاہ تک منتہی ہو جائے جو اسماء و صفات، شیون اور اعتبارات کے تصور سے خالی اور پاک ہے۔ یہ تشریح اس صورت میں صحیح ہوگی کہ اسم مبارک "اللہ" سے ایسا مرتبۂ وجوب مراد لیا جائے جو کہ تمام اسماء و صفات کو جامع ہے۔ لیکن اگر اس اسم مبارک سے مراد خدائے تعالیٰ کی ذاتِ محض لی جائے (اور اسماء و صفات سے قطع نظر کر لی جائے) تو اس لحاظ سے معنی کے اعتبار سے سیر فی اللہ، سیر الی اللہ ہی میں داخل ہوگی۔

سیر عن اللہ باللہ ۔ اور اس معنی کی بنا پر سیر الی اللہ سے الگ) سیر فی اللہ بالکل بھی متحقق نہیں ہوتی کیونکہ جو سیر کہ ذاتِ محض میں ہو نہایۃ النہایۃ کے نقطہ میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا اور اس نقطہ تک پہنچنے کے بعد تو بلا کسی توقف کے سالک کو دنیا کی طرف آجانا پڑتا ہے۔ اسے (صوفیہ کی اصطلاح میں) سیر عن اللہ باللہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ ایک ایسی معرفت ہے کہ صرف ان حضرات کے ساتھ مخصوص ہے جو نہایت النہایت کے مقام تک واصل ہو چکے ہوں۔ اولیاء امت میں سے اس فقیر کے سوا

کسی نے بھی اس (خصوصی) معرفت کے متعلق گفتگو نہیں فرمائی۔ اَللّٰہُ یَجْتَبِیْ اِلَیْہِ مَنْ یَّشَاءُ (اللہ جسے چاہتا ہے اپنی طرف برگزیدہ کر لیتا ہے) تمام تعریفیں اسی اللہ کے لئے سزاوار ہیں جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے اور تمام رسولوں کے سردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی تمام آل پر درود و سلام ہو۔

۷۔ منہا

کمالاتِ ولایت کے درجات: کمالاتِ ولایت میں لوگوں کی پیشقدمی مختلف انداز کی ہوتی ہے۔ بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جن میں درجاتِ ولایت میں سے صرف ایک ہی درجہ کو حاصل کرنے کی استعداد ہوتی ہے۔ دوسرے کچھ لوگوں میں دو درجوں کی استعداد ہوتی ہے۔ بعض لوگوں میں تین درجوں کی استعداد ہوتی ہے۔ ایک گروہ ایسا بھی ہوتا ہے جس میں چار درجوں کی استعداد ہوتی ہے اور گنے چنے افراد ایسے بھی ہوتے ہیں جن میں پانچ درجوں کی استعداد ہوتی ہے۔ لیکن ایسے لوگ بہت ہی کم ہوتے ہیں ان پانچ درجوں میں سے پہلے درجے کے حاصل ہونے کا تعلق تجلّی افعال سے ہوتا ہے اور درجۂ ثانی کا تعلق تجلّی صفات سے ہوتا ہے اور آخری تین درجوں کا تعلق ذاتی تجلیات سے ہوتا ہے۔ جس کے مختلف درجے ہوتے ہیں۔ اس فقیر کے زیادہ تر احباب درجاتِ مذکورہ میں سے تیسرے درجے کی مناسبت رکھتے ہیں۔ اور تھوڑے سے لوگ ہیں جنھیں چوتھے درجہ کی مناسبت ہے۔ اور ان سے بھی کم یعنی چند ایک حضرات ایسے بھی ہیں

جنھیں پانچویں درجے سے مناسبت ہے۔ یہ پانچواں درجہ درجاتِ ولایت کا آخری درجہ ہے۔ اور جو کمال اس فقیر کے نزدیک قابلِ اعتبار ہے وہ ان تمام درجات سے آگے کی چیز ہے۔ لیکن اصحاب کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے زمانے کے بعد سے اس کمال کا ظہور نہیں ہوا۔ یہ کمال جذبہ و سلوک کے کمال سے بلند درجہ کی چیز ہے۔ آئندہ انشاء اللہ تعالیٰ اس کمال کا ظہور حضرت امام مہدیؑ کی ذات میں ہوگا۔ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَیْرِ الْبَرِیَّۃِ ۱۹

(حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام ہو)۔

۸۔ منہا

زول کا انتہائی کمال کمال کے آخری نقطہ (نہایۃ النہایہ) تک پہنچ جانے والوں کو الٹے پاؤں لوٹتے وقت سب سے انتہائی نچلے درجہ (اسفل غایۃ) تک اترنا ہوتا ہے اور کمال کے آخری نقطہ (یعنی نہایت النہایت) تک پہنچنا اس وقت صحیح ہوتا ہے جبکہ اس کا نزول انتہائی نچلے درجے تک واقع ہو۔ اور جب اس خصوصیت کے ساتھ نزول (اترنا) واقع ہوتا ہے تو صاحبِ رجوع (اترنے والا) اپنی پوری ذات کے ساتھ عالم اسباب کی طرف متوجہ ہوتا ہے ایسا نہیں ہوتا کہ صاحبِ نزول کا کچھ حصہ بارگاہِ حق سبحانہ وتعالیٰ کی طرف متوجہ رہے اور دوسرا کچھ حصہ مخلوق کی طرف متوجہ رہے۔ کیونکہ ایسا ہونا اس بات کی علامت ہے کہ اس شخص کو کمال کے آخری نقطہ (نہایۃ النہایۃ) تک وصول حاصل ہی نہیں ہوا اور اسی طرح اسے انتہائی نچلے درجے (غایۃ الغایۃ) تک نزول بھی

نصیب نہیں ہو سکتا۔ زیادہ عجیب یہ ہے کہ نماز ادا کرتے وقت جو کہ مومن کی معراج ہوتی ہے صاحبِ رجوع کے لطائف کی توجہ بارگاہِ قدس جل سلطانہ کی طرف رہتی ہے۔ نماز سے فارغ ہو جانے کے بعد وہ پھر اپنی پوری ذات کے ساتھ مخلوق کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ البتہ فرائض اور سنتوں کو ادا کرتے وقت چھ کے چھ لطائف بارگاہِ قدس کی طرف متوجہ رہتے ہیں اور نوافل کو ادا کرتے وقت ان لطائف میں سے صرف وہی لطیفہ متوجہ رہتا ہے جو ان سب میں لطیف تر ہوتا ہے۔ ایک حدیث میں جو لِی مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ (خدا کے ساتھ میرا ایک خاص وقت ہوتا ہے) آیا ہے ممکن ہے کہ اسی خاص وقت کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہو جو نماز کے ساتھ مخصوص ہے اور اس اشارہ کے تعین کا قرینہ وہ دوسری حدیث ہو سکتی ہے جس میں قُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ (میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے) فرمایا گیا ہے۔ اس قرینے کے علاوہ کشفِ صحیح اور الہامِ صریح بھی اسی کی تائید کرتے ہیں۔ یہ معرفت اس فقیر کے خصوصی معارف میں سے ہے۔ مشائخ نے اس کمال کو جمع بین التوجہین (دونوں توجہوں کو جمع کرنے) میں سے شمار فرمایا ہے۔ وَالْاَمْرُ اِلَی اللّٰہِ سُبْحَانَہٗ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَۃَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہِ الصَّلَوٰتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ اَتَمُّھَا وَاَکْمَلُھَا۔ (پس معاملہ خداوند تعالیٰ سبحانہ کے حوالے ہے اور سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کو اپنے اوپر لازم کرلے اور مکمل و کامل ترین درودیں اور سلام ہوں آپ پر اور آپ کی آل پر)۔

۹۔ منہا

مشاہدۂ انفس و آفاق مشائخ نے فرمایا ہے کہ مرتبۂ ولایت پر پہنچ جانے کے بعد اہل اللہ کا مشاہدہ، انفس (اپنی جانوں) میں ہوتا ہے۔ وہ آفاقی مشاہدہ جو سیر الی اللہ کے دوران اثنائے راہ میں میسر آتا ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ اور جو کچھ اس فقیر پر منکشف فرمایا گیا ہے وہ یہ ہے کہ جو مشاہدہ انفس میں ہوتا ہے وہ بھی اسی مشاہدہ کی طرح جو آفاق میں ہوتا ہے معتبر نہیں ہے کیونکہ وہ مشاہدہ بھی مشاہدۂ حق نہیں ہے اس لئے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ کی ذات بیچون و بیچگونہ ہے۔ چون کے آئینہ میں خواہ وہ آفاق کا آئینہ ہو یا انفس کا آئینہ، یہ گنجائش کہاں کہ ذاتِ حق کا احاطہ کر سکے۔ وہ سبحانہ وتعالیٰ نہ دنیا میں داخل ہے نہ دنیا سے خارج ہے۔ نہ وہ دنیا کے ساتھ متصل ہے نہ دنیائے شہود سے جدا ہے۔ حق تعالیٰ کی رویت بھی نہ عالم میں ممکن ہے۔ نہ عالم سے خارج میں ممکن ہے، وہ رویت نہ دنیا کے ساتھ اتصال رکھتی ہے نہ دنیا سے انفصال، اسی وجہ سے اس رویت کو بھی جو آخرت میں ہوگی اہلِ علم نے بلا کیفیت کے کہا ہے جو عقل اور وہم کے احاطہ سے بھی خارج ہے۔ کارکنانِ قضا و قدر نے دنیا میں اس راز کو صرف خواص الخواص پر ہی منکشف فرمایا ہے۔ اگرچہ یہ رویت نہیں ہے، لیکن رویت کے مماثل ضرور ہے۔ یہ وہ دولتِ عظمیٰ ہے کہ اصحابِ نبی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے زمانے کے بعد سے کم ہی کوئی شخص اس دولت سے سعادت اندوز ہوا ہے۔ اگرچہ آج یہ بات مستبعد نظر آتی ہے

اور بہت سے لوگ اُسے قبول نہیں کرتے لیکن (یہ فقیر) اس نعمتِ عظمٰی کا اظہار
کر دیتا ہے خواہ کوتاہ اندیش لوگ اسے قبول کریں یا نہ کریں۔ اور یہ نسبت اسی
خصوصیت کے ساتھ کل کو (یعنی آئندہ کسی زمانے میں) حضرت مہدی
(رضی اللہ عنہ) میں ظاہر ہوگی ان شاء اللہ تعالیٰ۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ
الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰی صَلَوَاتُ اللّٰهِ تَعَالٰی وَتَسْلِيْمَاتُهٗ
عَلَيْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔ (سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی
کرے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کو لازم جانے، اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور
سلام ہوں آپ پر آپ کی سب آل پر اور آپ کے سب اصحابؓ پر)

۱۰۔ منہا

سلوک کی ابتدا جب کوئی طالب کسی شیخ کے سامنے حاضر ہو تو شیخ
استخارہ و توبہ سے کو چاہیے کہ سب سے پہلے اس سے استخارہ کرائے۔
تین یا سات بار تک استخارہ کی تکرار کرائے۔ استخاروں کے بعد اگر
طالب میں کوئی تذبذب پیدا نہ ہو تو اس (کی تربیت) کا کام شروع کر دینا
چاہیے۔ سب سے پہلے اسے توبہ کے طریقے کی تعلیم دے اور دو رکعتیں نمازِ توبہ
کی ادا کرنے کیلئے کہے۔ کیونکہ توبہ حاصل کئے بغیر اس راہ میں قدم رکھنے سے
کوئی فائدہ نہیں ہے۔ لیکن چاہیے کہ فی الحال اس کو اجمالی طور سے توبہ
حاصل ہونے پر اکتفا کرے۔ تفصیلی توبہ کو (آئندہ) زمانے کے گذرنے پر حوالہ
کر دے۔ کیونکہ آجکل کے زمانہ میں لوگوں کی ہمتیں بہت کوتاہ ہیں۔ اگر شروع
ہی سے تفصیلی توبہ کو حاصل کرنے کی تکلیف لوگوں پر ڈالی گئی تو لامحالہ اس کے

حصول کے لیے بڑا وقت چاہیے۔ اور ممکن ہے کہ اس عرصہ میں خود اس کی طلب ہی
میں کوئی فتور واقع ہو جائے اور اصل مقصد سے باز رہ جائے۔ بلکہ یہ ممکن ہے
کہ وہ توبہ کو بھی سرانجام نہ دے سکے۔ اس کے بعد جو طریقہ طالب کی استعداد
کے مطابق موزوں نظر آئے اس کے مطابق اسے تعلیم دے اور جو ذکر اس کی
قابلیت کے مناسب معلوم ہو اس کی تلقین فرمائے۔ اور اس کے معاملہ میں
پوری توجہ سے کام لیتا رہے اور اس کی حالت پر پوری شفقت قائم رکھے
اور اس راہ کے آداب و شرائط اس سے بیان کر دے اور کتاب (قرآن) و
سنت (حدیث نبوی) اور آثار سلف صالحین کی ترغیب دے اور اچھی
طرح اس کے ذہن نشین کرا دے کہ اس سروری کے بغیر مطلوب تک رسائی
حاصل کرنا قطعاً ممکن نہیں ہے۔ اور یہ بھی بتا دے کہ وہ تمام کشف اور
وہ تمام احوال جو پیش آئیں اگر وہ بال برابر بھی کتاب و سنت کے خلاف
ہوں تو ان کا اعتبار نہ کرے (یعنی ان پر قطعاً ملتفت نہ ہو) بلکہ ان سے
استغفار اور توبہ کرے۔ اور ساتھ ہی اسے نصیحت فرمائے کہ فرقۂ ناجیہ
اہل السنت والجماعت کی آراء کے مطابق اپنے عقائد کو درست کرے اور
ضروری فقہی احکام کا علم حاصل کرے اور اس علم کے مطابق عمل کرنے
کی اسے تاکید کرے۔ کیونکہ ان دونوں باتوں یعنی اعتقاد اور عمل کے بغیر
اس راہ میں پرواز کرنا میسر نہیں ہو سکتا۔ اور یہ بھی تاکید کر دے کہ (غذا کے
معاملے میں) حرام اور مشتبہ لقمہ سے پوری طرح احتیاط رکھے جو کچھ مل جائے
اور جہاں کہیں سے حاصل ہو جائے کھائے پیئے نہیں جبتک کہ روشن

شریعت کا فتوے اس سلسلہ میں اسے درست قرار نہ دیوے۔ مختصر یہ ہے کہ تمام معاملات میں آیتِ کریمہ: مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰکُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (جو کچھ تمہیں خدا کا رسول حکم دے اسے قبول کرو اور جس بات سے وہ منع کرے اس سے رک جاؤ) کو اپنا نصب العین بنا لے۔ طالبوں کا حال دو صورتوں سے خالی نہیں ہوتا۔ یا تو وہ اہلِ کشف و معرفت کے زمرے سے ہوتے ہیں یا ارباب جہل و حیرت کے گروہ سے ہوتے ہیں لیکن (سلوک کی) منزلیں طے کر لینے اور حجابات کے اٹھ جانے کے بعد دونوں جماعتیں واصل ہو جاتی ہیں۔ جہاں تک خود وصل کا تعلق ہے، ان میں سے کسی ایک جماعت کو دوسری جماعت پر کوئی برتری نہیں ہے۔ جیسا کہ وہ دو شخص جو دور دراز کی منزلیں طے کرنے کے بعد کعبہ تک پہنچتے ہیں۔ ایک تو راستے کی منزلوں کو دیکھتا چلا گیا ہے اور اپنی استعداد کے مطابق ایک ایک منزل کی تفصیلات کو معلوم کرتا ہوا پہنچا ہے۔ اور دوسرا آدمی راستے کی منزلوں سے آنکھیں بند کر کے گیا ہے، تفصیلات سے اس نے کوئی آگاہی حاصل نہیں کی اور کعبہ شریف تک پہنچ گیا۔ جہاں تک کعبہ معظمہ تک پہنچ جانے کا تعلق ہے اس میں یہ دونوں آدمی برابر ہیں۔ اس پہنچنے میں کسی کو بھی دوسرے پر فضیلت نہیں ہے۔ اگرچہ راستے کی منزلوں کو پہچاننے میں دونوں میں نمایاں فرق ہے لیکن مطلوب تک پہنچ جانے کے بعد دونوں کو جہل لازم ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں معرفت حاصل کرنا بھی جہل ہے اور معرفت سے عاجز ہوتا ہے۔

منازلِ سلوک | جاننا چاہئے کہ سلوک کی منزلیں قطع کرنے سے مراد دس مقامات کو طے کرنا ہوتا ہے۔ اور ان دس مقامات کو طے کرنا، ان تین تجلیات پر موقوف ہے۔ تجلیٔ افعال، تجلیٔ صفات، تجلیٔ ذات۔ اور مقام رضا کے علاوہ یہ سب مقامات، تجلیٔ افعال اور تجلیٔ صفات سے وابستہ ہیں۔ صرف مقامِ رضا، تجلیٔ ذاتِ حق تعالیٰ و تقدس اور محبتِ ذاتیہ سے وابستہ ہے۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ خواہ محبوب کی طرف سے تکلیف پہنچے یا انعام حاصل ہو محب کے حق میں دونوں صورتیں یکساں ہو جاتی ہیں۔ اس کے بعد لامحالہ رضا حاصل ہو جاتی ہے اور ناپسندیدگی ختم ہو جاتی ہے اسی طرح ان تمام مقامات میں کمال کی حد تک پہنچ جانا تجلیٔ ذاتی کے حصول کے وقت ہی ممکن ہے کیونکہ مکمل ترین فنا اسی تجلی کے ساتھ وابستہ ہے لیکن باقی نو مقامات کا صرف حصول تجلیٔ افعال اور تجلیٔ صفات ہی میں ہو جاتا ہے۔ مثلاً جب اپنے اوپر اور تمام اشیاء پر حق تعالیٰ سبحانہ کی قدرت کا مشاہدہ کرتا ہے تو بے اختیار توبہ و انابت کی طرف رجوع کرتا ہے اور ہمیشہ خوف کھاتا رہتا ہے۔ ورع تقویٰ (ورع) کو اپنا شعار بنا لیتا ہے۔ اور خدائی تقدیرات پر صبر اختیار کرتا ہے اور بے صبری و ناطاقتی سے چھٹکارا پا لیتا ہے۔ اور چونکہ نعمتوں کا مالک اسی کو سمجھتا ہے اور عطا کرنا اور روک لینا سب کچھ خدا ہی سے سمجھتا ہے۔ لامحالہ مقامِ شکر میں داخل ہو جاتا ہے اور توکل میں راسخ قدم بن جاتا ہے۔ اور جب حق تعالیٰ کی نرمی اور مہربانی کی تجلی وارد ہوتی ہے تو امید (رجا) کے

م ۳

مقام میں داخل ہوتا ہے اور جب خدائے تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کا
مشاہدہ کرتا ہے اور یہ پست و ذلیل دنیا اس کی نگاہ میں خود بے اعتبار
نظر آتی ہے تو چار و ناچار دنیا سے بے رغبتی پیدا ہو جاتی ہے۔ فقر اختیار
کر لیتا اور زہد کو پیشہ بنا لیتا ہے لیکن یہ بات بھی لیے چاہیے کہ ان
مقامات کا تفصیل و ترتیب کے ساتھ حصول سالک مجذوب کے ساتھ
مخصوص ہے۔ اور مجذوب سالک ان مقامات کو اجمالی طریقے پر طے
کرتا ہے۔ کیونکہ عنایت ازلی نے اسے اپنی محبت میں گرفتار کر لیا ہے کہ
ان مقامات کی تفصیل کی طرف مشغول ہونا اس کے بس میں نہیں رہتا۔
محبت کے زیر سایہ ان مقامات کا لب لباب اور ان منازل کا خلاصہ مکمل ترین
طریقہ پر اسے حاصل ہو جاتا ہے، جو صاحب تفصیل کو بھی میسر نہیں ہوتا۔
وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی (اور سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے)

۱۱۔ منہا

نفی کلی: طالب کے لیے ضروری ہے کہ وہ انفس و آفاق سے تعلق رکھنے
والے تمام معبودان باطل کی نفی کا اہتمام کرے، اور معبود برحق کے اثبات
کے بارے میں بھی جو کچھ اس کے شعور اور خیال کے احاطہ میں آئے اس کی
بھی نفی کرے اور صرف حق تعالیٰ کے موجود ہونے پر اکتفا کرے۔ اگرچہ اس
مقام پر وجود کو بھی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ ذات حق کو وجود سے بھی بالاتر [illegible]
کیا گیا ہے۔ علمائے اہل سنت نے خوب کہا ہے کہ واجب تعالیٰ کا
وجود اس کی ذات سبحانہ و تعالیٰ پر زائد ہے۔ وجود کو عین ذات کہنا

اور وجود سے پرے کسی دوسری بات کا اثبات نہ کرنا محض کوتاہ نظری ہے۔
شیخ علاء الدولہؒ نے فرمایا ہے کہ فَوْقَ عَالَمِ الْوُجُوْدِ عَالَمُ الْمَلِكِ الْوَدُوْدِ
(شہنشاہ ودود (یعنی جل شانہٗ) کی دنیا عالم وجود سے بھی اوپر ہے) اس فقیر کو جب
عالم وجود سے اوپر لے جایا گیا وجب تک میں مغلوب الاحوال رہا، علم
تقلیدی کی رو سے اپنے آپ کو اہل اسلام میں سے شمار کرتا رہا۔ مختصر یہ ہے
کہ ممکن کے ذہن و شعور (جو محدود) میں جو کچھ آسکتا ہے وہ بھی بطریق اولیٰ
ممکن ہی ہوگا۔ سُبْحَانَ مَنْ لَّمْ يَجْعَلْ لِلْخَلْقِ إِلَيْهِ سَبِيْلًا إِلَّا بِالْعَجْزِ
عَنْ مَعْرِفَتِهٖ (یعنی پس پاک ہے وہ ذات جس نے مخلوق کے لئے، اپنے تک
رسائی کا سوائے اس کے کوئی راستہ ہی نہیں رکھا کہ وہ اس کی معرفت سے اپنے عجز کا
اعتراف کرے)

ایک شبہ کا ازالہ :- بعض جگہ جو تمثالی احوال اور بعض باتیں سے
(جو سلوک کے دوران میں آتے ہیں) ممکن بھی واجب بن جاتا ہے کیونکہ
ایسا ہونا ممکن نہیں ہے، اس سے تو قلب حقائق یعنی حقیقتوں کا الٹ جانا
لازم آتا ہے (جو ممکن نہیں ہے) لہٰذا جب ممکن واجب نہیں ہو سکتا تو ممکن
کے حصہ میں اس کے سوا اور کیا ہے کہ وہ واجب تعالیٰ کے ادراک سے

حضرت شیخ رکن الدین علاء الدولہ سمنانیؒ ... سمنان کے رئیس ... احمد بن محمد
ولادت 659ھ میں ہوئی اور 22 رجب 736ھ کو سمنان کی قریب وفات پائی ... میں
مقام ... شیخ نور الدین عبد الرحمن ... مکتوبات ... آپ کے ایک رسالہ کا
ذکر کیا ہے جس میں شیخ نے اپنے مذاہب ... درج کئے ہیں اور بے حد سارے بعض ایسے
خیالات لکھے ہیں جو ... کے عقائد ...

اپنے عجز اور درماندگی کا اعتراف کرلے ؎

عنقا شکار کس نشود دام باز چیں
کانجا ہمیشہ باد بدست است دام را

ترجمہ
اٹھالے جال عنقا کب کسی کے ہاتھ آتا ہے
لگانا ہو یہاں جو جال خالی ہاتھ جاتا ہے

بلند ہمتی کا تقاضا یہی ہے کہ ذاتِ حق سے طالب کے کچھ بھی ہاتھ نہ آئے اور اس (ذاتِ حق) کا کوئی نام و نشان ظاہر نہ ہو۔ ایک جماعت ایسی بھی ہے جو دوسرا مطلب لیتی ہے یعنی وہ لوگ ذاتِ حق کو اپنا عین پاتے ہیں اور اس کے ساتھ قرب اور معیت پیدا کرلیتے ہیں ع

آں ایشانند و من چنینم یارب

ترجمہ
وہ کہاں اور میں کہاں یارب
والسلام

۱۲ - منہا

شش جہات سے خواجہ نقشبندؒ کی مراد

حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ تعالیٰ سرہ الاقدس نے فرمایا ہے کہ مشائخ میں سے ہر ایک کے آئینہ کی دو جہتیں ہوتی ہیں لیکن میرے آئینے کی چھ جہتیں ہیں۔ یقیناً آج تک اس بزرگ خاندان کے کسی ایک خلیفہ نے بھی اس کلمۂ قدسیہ کی کوئی تشریح بیان نہیں فرمائی بلکہ اشارۃً اور کنایۃً میں بھی کسی نے اس بارے میں کوئی بات نہیں کہی۔ اس حقیر اور بے مایہ کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ اس کی شرح و بیان میں لب کشائی کرے اور اس کی توضیح میں زبان کھولے۔ لیکن چونکہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے اس معمہ کا راز اس حقیر پر کھول دیا ہے اور اس کی حقیقت کو جیسا کہ چاہیے

واضح فرما دیا ہے۔ لہٰذا دل میں آیا کہ اس چھپے ہوئے نایاب موتی کو بیان کی انگلیوں سے تحریر کی لڑی میں پرو دوں اور ترجمانی کی زبان سے معرضِ تقریر میں لے آؤں۔ استخارہ کرنے کے بعد اس بارے میں تحریر کیا جاتا ہے اور خدائے تعالیٰ سے استدعا کرتا ہوں کہ وہ غلطی سے محفوظ رکھے اور بیان کی توفیق عطا فرمائے۔

جاننا چاہئے کہ آئینہ سے مراد عارف کا قلب ہے جو روح اور نفس کے درمیان ایک برزخ ہے۔ اور ان بزرگوں نے آئینے کی دونوں جہتوں سے اس کی روح والی جہت اور نفس والی جہت مراد لی ہے۔ لہٰذا مشائخ کو جب مقامِ قلب میں رسائی ہوتی ہے تو اس کی دونوں جہتیں ان پر منکشف ہو جاتی ہیں۔ اور ان دونوں مقامات کے وہ علوم و معارف جن کو قلب سے مناسبت ہوتی ہے ان پر فائض ہونے لگتے ہیں۔ یہ حضرات اس طریقہ کے جس میں حضرت خواجہ (نقشبندؒ) خصوصی امتیاز رکھتے ہیں۔ اور اس مقام میں چونکہ انتہا ابتدا میں مندرج ہوتی ہے لہٰذا اس طریقہ میں آئینۂ قلب کی چھ جہتیں نمایاں ہو جاتی ہیں۔ اور اس کی تشریح یہ ہے کہ کارکنانِ قضا و قدر نے اکابرینِ طریقۂ عالیہ پر یہ بات منکشف فرمائی ہے کہ چھ لطیفوں (یعنی نفس، قلب، روح، سر، خفی، اور اخفیٰ) میں سے جو کچھ افرادِ انسانی کے مجموعے میں موجود و ثابت ہے، وہ سب تنہا قلب کے اندر بھی متحقق ہیں۔ کیوں کہ چھ جہتوں سے مراد یہی چھ لطیفے لئے گئے ہیں۔ پس باقی تمام مشائخ کی سیر تو ظاہرِ قلب پر ہوتی ہے اور ان بزرگوں (یعنی نقشبندی حضرات) کی

لطف سیر باطنِ قلب میں ہوتی ہے۔ اور اس سیر میں یہ حضرات قلب کے ابطنِ بطون (باطنوں کے بھی باطن ترین) مقام تک پہنچ جاتے ہیں اور ان تمام چھ لطائف کے علوم و معارف مقام قلب میں منکشف ہونے لگتے ہیں۔ لیکن یہ وہی علوم و معارف ہوتے ہیں جن کو مقامِ قلب سے مناسبت ہوتی ہے۔ یہ ہے توضیح و تشریح حضرت خواجہ (نقشبند) قدس اللہ تعالیٰ سرہ کے اس کلمۂ قدسیہ کی (جو اوپر بیان ہوا)

اس حقیر پر اس مقام میں ان بزرگوں کی برکت سے مزید بر مزید انکشافات بھی ہوئے ہیں اور تحقیق کے بعد تدقیق کا درجہ بھی حاصل ہے اور بمصداق آیت کریمہ: وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ (یعنی اپنے پروردگار کی نعمت کو بیان کیا کرو)۔ ان مزید انکشافات میں سے ایک رمز اور ان تدقیقات میں سے ایک اشارہ بیان کرتا ہوں۔ وَمِنْهُ سُبْحَانَهُ الْعِصْمَةُ وَالتَّوْفِيْقُ (یعنی غلطی سے محفوظ رہنا اور توفیق خدائے تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے)۔

قلب کے پانچ درجات اور محض قلب بسیط

جاننا چاہیے، جیسا کہ قلب ہر چھ لطیفوں کو شامل ہوتا ہے اسی طرح قلب کا قلب بھی ان تمام لطائف پر مشتمل ہوتا ہے۔ لیکن قلب کے قلب میں بوجہ تنگیٔ دائرہ یا دوسرے کسی سِرّ کی وجہ سے ان چھ لطائف مذکورہ میں سے دو لطیفے جزئی طریق پر ظاہر نہیں ہوتے۔ ان میں سے ایک لطیفۂ نفس ہے اور دوسرا لطیفۂ اخفیٰ۔

(عربی عبارت کا ترجمہ ملاحظہ ہو)۔

"یہی حال اس نفس کا بھی ہوتا ہے جو نیسرے رتبہ میں ہوتا ہے مگر یہ کہ اس میں لطیفۂ خفی بھی ظاہر نہیں ہوتا۔ اور یہی صورت اس نفس کی بھی ہو جو چوتھے مرتبے میں ہوتا ہے مگر یہ کہ اس میں لطیفۂ سر بھی ظاہر نہیں ہوتا باوجودیکہ لطیفۂ قلب اور لطیفۂ روح اس میں ظاہر ہوتا ہے اور پانچویں مرتبہ میں لطیفۂ روح بھی ظاہر نہیں ہوتا چنانچہ صرف قلب محض باقی رہ جاتا ہے جو لطیفہ بسیط ہوتا ہے اس میں قطعاً کسی دوسری شے کا اعتبار نہیں ہوتا۔ یہاں بعض معارف عالیہ کو معلوم کرلینا ضروری ہے تاکہ ان معارف کے ذریعہ سے بدایات اور نہایت النہایت (یعنی آخری انتہائی مقصد) تک پہنچا جائے۔ بعد اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی توفیق سے میں کہتا ہوں کہ جو کچھ عالم کبیر میں تفصیلاً ظاہر ہوتا ہے وہی سب کچھ عالم صغیر میں بھی اجمالاً ظاہر ہوتا ہے۔

۱۲۰

عالم صغیر سے مراد انسان ہے لہذا جب عالم صغیر کا زنگ دور کرکے اس کو منور کردیا جاتا ہے تو اس میں آئینہ کی طرح وہ تمام چیزیں ظاہر ہوجاتی ہیں جو تفصیلاً عالم کبیر میں پائی جاتی ہیں کیونکہ زنگ دور ہوجانے اور منور ہوجانے کی وجہ سے اس کا ظرف وسیع ہو جاتا ہے اور اس کی کوتاہی کا ازالہ ہوجاتا ہے۔ یعنی یہی حال قلب کا بھی ہے جس کی نسبت عالم صغیر کے ساتھ ویسی ہی ہوتی ہے جیسی کہ عالم صغیر کو عالم کبیر کے ساتھ نسبت ہوتی ہے۔ یعنی

اجمال و تفصیل کی نسبت۔ اب جب عالم اصغر جو عالم قلب ہی کا
نمونہ ہے صیقل کر دیا جاتا ہے اور اس پر چھائی ہوئی ظلمت اور تاریکی
دور ہو جاتی ہے تو اس قلب کے آئینہ کے اندر بھی وہ تمام چیزیں ظاہر
ہونے لگتی ہیں جو عالم صغیر میں تفصیلاً پائی جاتی ہیں۔ وہی صورت
قلب کے ساتھ قلب قلب کی نسبت کی ہے۔ یعنی ان میں بھی اجمال
و تفصیل کی نسبت ہے اور قلب قلب میں تفصیلات کا ظہور بوجہ
اس صفائی و نور کے سبب سے ہوتا ہے حالانکہ وہ مجمل تھا۔

اس قلب کا حال جو تیسرے مرتبہ میں ہوتا ہے اور اس قلب کا
جو چوتھے مرتبہ میں ہوتا ہے اجمال و تفصیل میں اسی قیاس پر ہے
یعنی تیسرے درجے میں تفصیل ہوتی ہے اور چوتھے درجے میں
اجمال ہوتا ہے اور جو تفصیل کہ مراتب سابقہ میں تھی ان دونوں
مراتب میں اس کا ظہور بوجہ صیقل ہو جانے اور مناسبت حاصل
کر لینے کے ہوتا ہے۔ وہی صورت اس قلب کی ہے جو ساتویں
مرتبہ میں ہوتا ہے حتیٰ کہ وہ باوجود بسیط ہونے اور اس میں کسی
چیز کی گنجائش نہیں ہوا کرتی، اس کا اس تصفیہ کے بعد اس میں وہ
تمام چیزیں ظاہر ہونے لگتی ہیں جو تمام جہانوں یعنی عالم کبیر
عالم صغیر تمام تعداد اس کے بعد کے عالموں میں پائی جاتی
ہیں جیسا کہ گزر چکا ہے۔ اب قلب (پانچویں، چھٹیں) تنگ
ہونے کے ساتھ ہی وسیع تر بھی ہوتا ہے اور بسیط ہونے کے

باوجود بہت زیادہ پھیلاؤ رکھنے اور قلیل تر ہونے کے ساتھ ہی کثیر تر بھی
ہوتا ہے۔ دنیا کی وہ کونسی چیز ہے کہ اس انداز پر پیدا کی گئی ہو اور اس
عجیب و غریب لطیفہ کے مقابلے میں کوئی چیز اپنے خالق اور صانع
تعالیٰ و تقدس کے ساتھ اتنی زیادہ تر مناسبت رکھنے والی نہیں پائی
جاتی۔ چنانچہ اس آئینے میں جو صانع سبحانہ وتعالیٰ کی وہ
عجیب و غریب نشانیاں ظہور پذیر ہوتی ہیں جو دوسری کسی مخلوق
میں ظاہر نہیں ہو سکتیں۔ اسی لئے ایک حدیث قدسی میں آیا ہے
"لَا یَسَعُنِیْ اَرْضِیْ وَلَا سَمَائِیْ وَلٰکِنْ یَسَعُنِیْ قَلْبُ
عَبْدِیَ الْمُؤْمِنِ" (یعنی نہ میری زمین مجھ کو سما سکتی ہے اور نہ میرا
آسمان سما سکتا ہے لیکن میرے مومن بندہ کا دل مجھ کو سما
سکتا ہے۔) ورنہ عرش اگرچہ ظہور کے اعتبار سے آئینوں میں سب سے
زیادہ وسیع ہے لیکن اپنی کثرت اور تفصیل کی وجہ سے اس
ذات بیچون تعالیٰ کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں ہے جس میں
نہ تعلق کثرت پائی جاتی ہے اور نہ مائل تفصیل۔ اس ذات کی سب
سے لائق جب نقطہ ہے وہی چیز ہو سکتی ہے جو منبسط ہونے کے باوجود
وسیع نہ ہو، منبسط ہوتے ہوئے بھی بعید ہو کہ بھی وہ قلیل تر ہو اور
ساتھ ہی کثیر تر بھی ہو۔ جب کوئی ایسا عارف جس کی معرفت
ممتاز ہو اور جس کا حضور (شہود) کامل تر ہو اس مقام تک پہنچتا
ہے جس کا وجود نادر ہے وہ سب کے بیچ ہی میں سے نصیب رہے۔

اور یہ عارف تمام جہانوں اور تمام طبقات کا قطب بن جاتا ہے۔
یہی شخص ولایتِ محمدیہ کا جامع اور دعواتِ مصطفویہ کے
ساتھ مشرف ہوتا ہے علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ —
چنانچہ قطاب، اوتاد اور ابدال سب اس کے دائرۂ ولایت کے
تحت میں داخل ہوتے ہیں اور افراد و احاد اور اولیاء کے تمام گروہ
اسی کے انوار و برکات کے ماتحت مندرج ہوتے ہیں۔ کیونکہ وہی
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قائم مقام ہوتا ہے اور خدا کے حبیب
صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے ساتھ ہدایت یافتہ ہوتا ہے
یہ نسبتِ شریفہ جو بہت ہی کم پائی جاتی ہے افراد میں سے کسی
کسی کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس کمال میں مبتدی کے لئے کوئی حصہ
نہیں ہوتا۔ یہ وہ عظیم الشان اور بعید ترین غایت ہے کہ اس
کے اوپر اور کوئی کمال کا درجہ ہی نہیں ہے اور اس سے زیادہ مرتبہ
والا اور کوئی عطیۂ الٰہی نہیں ہے۔ اگر اس انداز کا کوئی عارف کامل
ہزاروں سال کے بعد بھی پایا جائے تو اسے غنیمت سمجھا جائے گا
اس کی برکات طویل مدت اور بعید ترین زمانوں تک جاری
رہتی ہیں یہی وہ عارف کامل ہے جس کی گفتگو دوا ہے اور
جس کی نظر شفا ہے۔ حضرت امام مہدی (رضی اللہ عنہ) اسی بہترین   ص ۲۹
امت کی اسی نسبتِ شریفہ کے ساتھ عنقریب تشریف لائیں گے۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ۝ *

اس نعمتِ عظمیٰ کا حصول اس نعمتِ عظمیٰ کا حصول سلوک اور جذبہ
کے دونوں طریقوں سے تعینِ اتمام اور فنا و اکمل اور بقا بہ اتم کے
مقامات کی حد درجہ تکمیل پر منحصر ہے اور یہ چیز سید المرسلین
حبیبِ ربِ العالمین علیہ وعلی آلہ من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات
اکملہا کی کمال پیروی کے بغیر حاصل نہیں ہوتی اس دولتِ بزرگ کا
بے حد شکر ہے جس نے ہمیں ان کے متبعین میں سے بنایا ہے۔ اللہ سبحانہ
تعالیٰ سے یہی درخواست ہے کہ وہ ہمیں آپ کی مکمل پیروی و اتباع پر
ثابت قدمی عطا فرمائے اور آپ کی متابعت پر استقامت نصیب
فرمائے۔ خدا تعالیٰ اس بندہ پر رحم فرمائے جو ہماری اس دعا پر آمین کہے۔

یہ معارف ان دقیق اسرار و رموز میں سے ہیں جن کے
متعلق اکابر اولیاء میں سے کسی نے بھی لب کشائی نہیں فرمائی اور بزرگ
برگزیدہ حضرات میں سے کسی نے اس کی طرف اشارہ تک نہیں فرمایا
حق تعالیٰ سبحانہ نے اپنے اس بندہ کو اپنے حبیب علیہ وعلی آلہ الصلوات
والتسلیمات کے طفیل سے ان اسرار و رموز کے لئے منتخب
فرمایا ہے۔ کسی شاعر نے فارسی شعر میں کیا خوب کہا ہے ؎

اگر بادشہ بر درِ پیرزن　　　بیاید تو اے خواجہ سبلت مکن

ترجمہ

اگر بڑھیا کے در پہ آئے سلطاں　　　تو اے خواجہ نہ ہو ہرگز پریشاں

حق تعالیٰ شانہ کی قبولیت کسی علت کے ساتھ وابستہ اور
کسی سبب و وجہ کی پابند نہیں ہے۔ یَفْعَلُ اللّٰہُ مَا یَشَاءُ

وَيَحْكُمُ مَا يُرِيدُ. وَاللهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللهُ

ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ۔ (معنی جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جیسا چاہے

حکم فرماتا ہے اور جسے چاہتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ مختص کر لیتا ہے

اور اللہ بڑے فضل والا ہے ۔) حق سبحانہ و تعالیٰ کی رحمتیں نازل ہوں

ہمارے آقا اور مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کی آل پر

اور سلامتیاں اور برکتیں نازل ہوں آپ پر اور تمام انبیاء اور مرسلین

پر اور ملائکہ مقربین پر اور خدا کے نیک بندوں پر اور سلامتی ہو اس پر

جو ہدایت کی پیروی کرے اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

کی پیروی کو اپنے اوپر لازم کرے ۔

۱۳- منہا

روح کا مقام روح ، عالمِ بے چون (دنیائے بے کیف) سے تعلق

رکھتی ہے ۔ لہٰذا لامکاں ہونا اس کے لئے ثابت ہے ، اگرچہ روح کی بے چونی

(بے کیفی) مرتبۂ وجوب تَعَالَتْ وَتَقَدَّسَتْ (یعنی ذاتِ حق) کی

نسبت سے عین چون (عین کیفیت) ہے اور اس کی لامکانیت ، مکانی

حقیقی جَلَّ سُلْطَانُہٗ (حق تعالیٰ) کی نسبت سے عین مکانیت ہے ۔

یوں کہئے کہ عالمِ ارواح اس دنیا اور مرتبۂ بے چونی کے درمیان ایک

برزخ ہے ۔ اور اس طرح عالمِ ارواح میں دونوں رنگ پائے جاتے

ہیں ۔ لامحالہ عالمِ چون (عالمِ کیفیات) سے بے چون (عالمِ بے کیف) سمجھتا

ہے اور مرتبۂ بے چونی (بے کیفی) کی طرف سے نظر کی جائے تو وہ عین چون

مکتوب ۳۰

(عین کیف) نظر آتا ہے۔ اور یہ برزخیت کی نسبت اسے اپنی اصلی فطرت کے اعتبار سے حاصل ہے۔

روح کا نزول | لیکن اس کا تعلق اس بدنِ عنصری کے ساتھ ہو جانے اور اس تاریک ڈھانچے میں گرفتار ہو جانے کے بعد وہ اس برزخیت سے نکل آئی ہے۔ اور پورے طور پر اس عالمِ چون (یعنی دنیائے کیف) میں اتر آئی ہے اور بے چونی (بے کیفی) کا رنگ اس سے پوشیدہ ہو گیا ہے۔ اس کی حالت، ہاروت و ماروت کی حالت کی طرح ہے کہ بعض حکمتوں اور مصلحتوں کی بنا پر ارواحِ ملائکہ، بشریت کی پستی میں نیچے اتر آئی ہیں جیسا کہ مفسرین و مؤرخین نے فرمایا ہے۔

رُوح کا عروج | . . . . پس اگر عنایت خداوندی جل شانہٗ دستگیری فرمائے اور اس سفر سے ایک قسم کی واپسی حاصل ہو جائے اور اس تنزل سے پھر عروج نصیب ہو جائے تو نفسِ ظلمانی اور بدنِ عنصری کو بھی اس کی پیروی میں ایک طرح کا عروج نصیب ہو جائے گا اور وہ منازل طے کر لیں گے۔ اسی سلسلہ میں روح کے اس تعلق اور اس کے اس تنزل سے جو کچھ مقصود ہے وہ بھی ظہور میں آجائے گا اور نفسِ امارہ کو اطمینان نصیب ہو جائے گا (یعنی مطمئنہ ہو جائے گا) اور جو چیز ظلمانی (تاریک) تھی وہ بدل کر نورانی ہو جائے گی۔ جب روح اس سفر کو مکمل کر لے گی اور جو کچھ اس کے نزول سے مقصود تھا اس کو اپنے انجام تک پہنچا لیگی تو اپنی اصلی برزخیت تک پہنچ جائے گی اور اس طرح اپنی بدایت (نقطۂ آغاز) م ۳۱

کی طرف لوٹتے ہوئے نہایت (نقطۂ انجام) کو حاصل کر چکی ہے چونکہ قلب
بھی عالمِ ارواح ہی سے ہے۔ لہٰذا وہ بھی برزخیت ہی میں قیام پذیر ہوگا
اور نفسِ مطمئنہ جس پر عالمِ امر کا بھی ایک رنگ چڑھا ہوا ہے اس لئے
کہ وہ قلب اور بدن کے درمیان ایک برزخ ہے وہ بھی اسی جگہ قیام پذیر
ہوگا۔ لیکن بدنِ عنصری جو چار عناصر سے مرکب ہے وہ لازمی طور عالمِ کون و
مکان میں ہی قرار پائے گا۔ اور طاعت و عبادت میں مشغول ہو جائے گا
اس کے بعد اگر کوئی سرکشی اور مخالفت واقع ہوگی تو وہ سب عناصر کی
طبیعتوں ہی کی طرف منسوب ہوگی۔ مثلاً ناری (آتشی) جزو جو اپنی ذات
کے اعتبار سے سرکشی اور مخالفت چاہنے والا ہے۔ اسی لعین کے
انداز پر اَنَا خَیْرٌ مِّنْہُ (میں اس سے بہتر ہوں) کی صدا لگائے گا۔ اور
نفسِ مطمئنہ سرکشی سے باز رہتا ہے کیونکہ وہ حق تعالیٰ جل شانہ سے راضی
ہو چکا ہے اور حق سبحانہ اس سے راضی ہو چکے ہیں۔ اور راضی ہونے والے
اور راضی شدہ سے سرکشی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اگر سرکشی ہو سکتی ہے
تو قالب (جسم عنصری) ہی سے ہو سکتی ہے۔ بہت ممکن ہے کہ سید البشر
علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات اتمہا واکملہا نے اسی ابلیسی سرکشی
کی وجہ سے جس کا منشا یہی جزو قالبی ہے جہاد اکبر سے تعبیر فرمایا ہو اور
جو آپ نے فرمایا ہے کہ اَسْلَمَ شَیْطَانِیْ (میرا شیطان مسلمان ہو گیا ہے)
اس سے مراد یا تو آفاقی (خارجی) شیطان ہے جو آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام
کا قرین ہے۔ لیکن یہاں (یعنی جہاد اکبر والی حدیث میں) شیطان سے مراد

شیطانِ انفسی ہے۔ اگرچہ اس شیطان کا زور بھی ٹوٹا ہوا ہے اور وہ بھی سرکشی سے باز آ چکا ہے لیکن جو بات کسی چیز کی ذات میں داخل ہو وہ اس کی ذات سے زائل نہیں ہوا کرتی۔ ع

سیاہی از حبشی کے رود کہ خود رنگ ست

ترجمہ: سیاہی رنگِ حبشی سے بھلا کب دور ہوتی ہے

یہ ہو سکتا ہے کہ (اسلم شیطانی والی حدیث میں بھی) شیطان سے مراد انفسی شیطان ہی ہو، لیکن اس کے مسلمان ہو جانے سے یہ بات لازم
۳۲
نہیں آتی کہ اس میں سرکشی کا مادہ بالکل ہی باقی نہیں رہا۔ باوجود مسلمان ہو جانے کے اگر وہ عزیمت کو چھوڑ کر رخصت پر عمل کرے تو وقوع ممکن ہے۔ اور اگر اس سے کوئی صغیرہ گناہ سرزد ہو جائے جس میں کوئی شک نہ ہو تو اس کی بھی گنجائش ہے۔ بلکہ نیک لوگوں (ابرار) کی نیکی جو مقربانِ بارگاہ کیلئے بدی (سیئہ) بن جاتی ہے وہ بھی اسی قسم سے ہے۔ یہ تمام سرکشی ہی کی قسمیں ہیں۔ اور اس میں سرکشی کا باقی رہنا بھی اس کی اصلاح اور ترقی ہی کے لئے ہے کیونکہ ان امور کے حاصل ہونے کے بعد جن میں انتہائی نقص ترکِ اولیٰ کا پیش آ جانا ہے، اس شخص کو اس قدر ندامت، پشیمانی اور توبہ و استغفار نصیب ہو جاتا ہے جو بے انتہا ترقیات کا باعث بن جاتا ہے۔

اور جب بدنِ عنصری اپنے مقام پر قرار پا جاتا ہے تو لطائفِ ستہ (چھ لطیفوں) کے جدا ہونے اور ان کے عالمِ امر میں عروج پا جانے کے بعد بالضرور اس دنیا میں ان کا خلیفہ (جانشین) یہی بدن رہ جائے گا۔ اور ان سب کے

کام اسی کو کرنے پڑیں گے۔ اس کے بعد اگر الہام ہوتا ہے تو اسی مضغۂ گوشت پر ہوتا ہے جو حقیقتِ جامعۂ قلبیہ کا خلیفہ ہے۔ اور وہ جو حدیثِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں وارد ہوا ہے کہ مَنْ اَخْلَصَ لِلّٰهِ اَرْبَعِيْنَ صَبَاحًا ظَهَرَتْ يَنَابِيْعُ الْحِكْمَةِ مِنْ قَلْبِهٖ عَلٰى لِسَانِهٖ (یعنی جو شخص چالیس دن خالص اللہ کے لئے کر دیتا ہے (یعنی سوائے طلبِ الٰہی و عبادتِ الٰہی کے اور کسی کام میں مشغول نہیں ہوتا) تو حکمت و دانائی کے چشمے اس کے قلب سے نکل کر اس کی زبان پر ظاہر ہونے لگتے ہیں) تو حدیث میں اس قلب سے مراد یہی گوشت کا لوتھڑا (مضغہ) ہے۔ واللہ سبحانہ اعلم۔

اور دوسری احادیث میں تو یہ مراد متعین ہی ہے۔ مثلاً آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ اِنَّهٗ لَيُغَانُ عَلٰى قَلْبِيْ (بے شک میرے دل پر ہلکا سا غبار طاری کر دیا جاتا ہے) تو یہ غبار کا پیش آنا اسی مضغۂ گوشت پر ہوتا ہے، قلب کی حقیقتِ جامعہ پر نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ تو کلیتہً غبار سے آزاد ہو چکی ہوتی ہے اور دوسری حدیث میں قلب کے پلٹنے کا ذکر بھی آیا ہے۔

(ایک طویل عربی عبارت کا ترجمہ ملاحظہ ہو)

"جیسا کہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ قَلْبُ الْمُؤْمِنِ بَيْنَ اِصْبَعَيْنِ مِنْ اَصَابِعِ الرَّحْمٰنِ (یعنی مومن کا قلب رحمن کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان میں ہے) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ

---

[۱] اسی حدیث سے بعض لوگوں نے چلہ کشی کو ثابت کیا ہے بلکہ قرآن کریم کی سورۂ بقرہ آیت ۵۱ اور سورۂ اعراف کی آیت ۱۴۲ میں اربعین لیلۃً کا بھی ذکر آیا ہے واللہ اعلم۔ مترجم

قَلْبُ الْمُؤْمِنِ كَرِيْشَةٍ فِي أَرْضٍ فَلَاةٍ (یعنی مومن کا قلب بندہ کے اس پر کی طرح ہے جو کسی جنگل بیابان میں پڑا ہو۔) اور آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ اَللّٰهُمَّ يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِيْ عَلٰى طَاعَتِكَ (یعنی اے اللہ! اے دلوں کو پلٹنے والے (اللہ) میرے قلب کو اپنی فرمانبرداری پر قائم رکھ) تو یہ قلب کا پلٹنا اور قائم نہ رہنا اسی مضغۂ گوشت کے لئے ثابت ہے کیونکہ (قلب کی) حقیقت جامعہ کے لئے تو الٹنے پلٹنے کا ہرگز تصور ہی نہیں کیا جا سکتا بلکہ وہ تو مطمئنہ ہے اور اطمینان میں راسخ ہو چکی ہے۔ اور حضرت خلیل علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب قلب کے لئے اطمینان کی درخواست کی تو ان کی مراد بھی یہی مضغۂ گوشت تھا، نہ کہ کوئی اور چیز کیونکہ ان کا قلب حقیقی تو بلاشبہ مطمئن تھا بلکہ ان کا نفس بھی ان کے قلب حقیقی کی سیاست کی وجہ سے مطمئن تھا۔

صاحبِ عوارف کے ارشاد پر بحث

صاحب العوارف[1] قدس سرہ العزیز نے فرمایا ہے کہ الہام اس نفس مطمئنہ کی صفت ہے جس نے قلب کے مقام

---

[1] سہروردی سلسلہ کے سرخیل شیخ عمر شہاب الدین سہروردیؒ اپنے چچا ابونجیب سہروردی کے مرید اور خلیفہ تھے ۵۳۹ھ میں بغداد میں پیدا ہوئے اور وہیں ۶۳۲ھ میں وصال ہوا۔ برصغیر میں آپ کے خلیفہ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی تھے۔ شیخ شہاب الدین سہروردی کی تصنیف "عوارف المعارف" تصوف کی امہات الکتب میں شمار کی جاتی ہے اور ہر زمانے میں صوفیہ میں مقبول رہی ہے۔

میں عروج کیا ہو، اور یہ کہ اس وقت تمام رنگ آمیزیاں (تلوینات)
اور تمام تبدیلیاں (تقلبات) نفسِ حقیقی کی صفات ہوتی ہیں۔"
صاحب العوارف کا یہ ارشاد جیسا کہ تم خود دیکھ رہے ہو احادیث
مذکورہ کے خلاف ہے۔ اور اگر حضرت شیخ صاحب العوارف کو
اس مقام سے جس کی وہ بات کر رہے ہیں عروج میسر ہوتا تو وہ خود
حقیقتِ دل کو دریافت فرما لیتے اور جو کچھ ہم نے بتایا ہے
اس کی صداقت ان پر ظاہر ہو جاتی۔ اور اس صورت میں کشف و
الہام احادیثِ نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے مطابق ہوتے۔
اور تمہیں خوب معلوم ہے کہ جو کچھ ہم نے بتایا ہے کہ یہی
مضغۂ گوشت (قلب) کی حقیقتِ جامعہ کا مظہر ہو جاتا ہے
اور اسی پر الہام وارد ہوتے ہیں اور یہی صاحبِ حال اور صاحبِ
تلوینات ہو جاتا ہے، یہ تمام باتیں متعصب، دھڑے در حقیقت
مرے کوتاہ لوگوں پر بڑی ہی شاق اور بہت ہی گراں گزرتی
ہیں معلوم نہیں وہ اُن احادیثِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام
کے بارے میں کیا کہیں گے جن میں آپ نے فرمایا ہے کہ "اِنَّ فِی جَسَدِ
بَنِی آدَمَ مُضْغَۃً اِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ جَسَدُہٗ کُلُّہٗ وَاِذَا
فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ" (بنی آدم کے جسم میں ایک مضغۂ
گوشت کا ٹکڑا ہے جب یہ درست ہو جاتا ہے تو سارا جسم درست
ہو جاتا ہے اور جب یہ خراب ہوتا ہے تو سارا جسم خراب ہو جاتا ہے)

(مشکوٰۃ شریف)

خوب سمجھ لو کہ یہ مضغہ (گوشت) قلب ہے۔}

۳۴

اس حدیث شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بر سبیل
بطور اس مضغۂ گوشت ہی کو قلب قرار دیا ہے اور جسم کی درستگی
اور خرابی کو اس کی درستگی اور خرابی پر منحصر فرمایا ہے۔ لہذا جو کچھ
قلب حقیقی کے لئے درست ہے وہی کچھ اس مضغۂ (گوشت)
کے لئے بھی درست ہوگا۔ اگرچہ یہ نیابت اور خلافت کے طور
ہی ہو۔ اور اچھی طرح سمجھ لو کہ جب روح اپنے جسم سے اس
موت کے ذریعے، جو معارف) موت سے پہلے ہی واقع
ہوتی ہے، جدا ہو جاتی ہے تو عارف واصل اپنی روح کو
اس طرح محسوس کرتا ہے کہ وہ نہ جسم میں داخل ہے نہ اس سے
خارج ہے، نہ اس کے ساتھ پیوستہ ہے اور نہ اس سے جدا ہے۔
اور وہ محسوس کرتا ہے کہ روح کا اپنے جسم کے ساتھ یہ تعلق
صرف قیوم ربط ہے جس کی غرض جسم کی درستگی ہوتی ہے بلکہ ایک
دوسری غرض بھی ہوتی ہے اور وہ یہ کہ روح کی طرف اس کا کمال
بھی واپس آجائے۔ وہی تعلق جسم میں درستگی اور خوبی پیدا کرتا
ہے۔ اگر یہ تعلق نہ ہوتا تو جسم اپنے تمام لوازمات کے ساتھ تاریکی
شر اور نقص بن جاتا۔ بعینہٖ یہی کچھ صورت روح وغیرہ کے ساتھ
واجب تعالیٰ کی ہے۔ چنانچہ ذاتِ واجب تعالیٰ نہ عالم میں
داخل ہے، نہ اس سے خارج، نہ اس کے ساتھ پیوستہ ہے

شناس سے جُدا ہے۔ لیکن حق تعالیٰ سبحانہ کا عالم کے ساتھ ایک تعلق ضرور ہے اور یہ تعلق عالم کو پیدا کرنے کا، اس کو باقی رکھنے کا کمالات کے فیضان کا، اور نعمتوں اور بھلائیوں کے لئے مستعد بنانے کا تعلق ہے۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب اگر تم کہو کہ علمائے اہلِ حق نے روح کے سلسلے میں اس انداز کی کوئی گفتگو نہیں فرمائی بلکہ قریب قریب انھوں نے اس انداز کی بحث کو جائز بھی نہیں رکھا۔ اور تم ہر قلیل و کثیر میں اُن کی موافقت ضروری جانتے ہو۔ تو پھر اس کی وجہ کیا ہے (کہ تم روح کے سلسلے میں اس انداز کی گفتگو کر رہے ہو؟)

۳۵

میں اس کے جواب میں کہتا ہوں کہ ان میں سے وہ تو بہت کم لوگ ہیں جنھیں روح کی حقیقت کا علم حاصل ہو سکا ہے۔ پھر انھوں نے اپنے کم ہونے کے باوجود روحانی کمالات کے اظہار کے متعلق کوئی تفصیلی گفتگو نہیں فرمائی اور بعض اجمالی اشارات پر اکتفا فرمایا ہے کیونکہ وہ عوام کی کج فہمی اور ان کے گمراہی میں مبتلا ہونے کے اندیشے سے اس بات سے بچتے رہے۔ کیونکہ روحانی کمالات (ایک حد تک) صورۃً کمالاتِ وجوبیت (واجب الوجود ہونا) سے مشابہ واقع ہوئے ہیں۔ ان دونوں کے درمیان بہت ہی باریک فرق ہے جس پر سوائے راسخ القدم علماء کے سب لوگ مطلع نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا انھوں نے اجمال ہی میں

مصلحت سمجھی بلکہ اس کو بیان کرنے اور اس کی حقیقت کو واضح کرنے کا
انکار کردینا ہی بہتر سمجھا۔ لہذا وہ حضرات ان کمالات کے منکر نہیں
ہیں جن کا تذکرہ اوپر ہوچکا ہے۔ اور اس ضعیف بندہ (یعنی میں) نے
اس کی وضاحت کے ساتھ تشریح اور اس کے بعض خواص کی توضیح
اپنے علم صحیح اور کشف صریح پر اعتماد ہونے کی وجہ سے، محض
حق سبحانہ وتعالیٰ کی مدد اور توفیق سے اور اس کے حبیب
علیہ الصلوٰۃ والسلام وآلہ الکرام کے صدقے سے کردی ہے اور
ساتھ ہی اس شبہ کا بھی ازالہ کردیا ہے جو اس کی وضاحت سے
مانع تھا لہذا اس بات کو اچھی طرح سمجھ لو۔

یہ بھی جان لینا چاہئے کہ جس طرح جسم، روح سے بیشمار
کمالات حاصل کرتا ہے اسی طرح، روح بھی جسم کے ذریعے سے
عظیم الشان فوائد کا اکتساب کرتی ہے۔ (یہ جسم ہی تو ہوتا ہے
جس کے ذریعے سے روح) سننے والی، دیکھنے والی، گفتگو کرنے والی
اور بلکہ جسم کے نزدیک مجسم بن جاتی ہے کہ اس کے بعد وہ ان افعال
واعمال کا اکتساب بذات خود کرتی ہے جو عالم اجسام ہی سے
مناسبت رکھتے ہیں (یعنی جسم کو حاصل کئے بغیر تمہاری روح کیلئے
یہ تمام باتیں ممکن نہیں)۔

عقلِ معاد اور جب نفسِ مطمئنہ روح میں (یعنی عالم ارواح) کے ساتھ
ملحق ہوجاتا ہے، جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے تو عالم اجساد میں عقل اس کی جگہ پر

اس کی خلیفہ اور نائب بن کر جہتی ہے اور اس کا نام عقل معاد ہو جاتا ہے۔
اب اس کا فکر و اندیشہ تمام کا تمام آخرت ہی کے لئے مخصوص ہو جاتا
ہے اور وہ زندگی گذارنے کی فکروں سے فارغ ہو جاتی ہے۔ اور جو نور
اُسے قدرت کی طرف سے عطا ہوتا ہے اس کی بدولت وہ فراست
کے قابل ہو جاتی ہے۔ یہ مرتبہ کمالات عقل کے انتہائی مرتبوں میں سے ہے۔

۳۶ **ایک اعتراض اور اس کا جواب**

کوئی کوتاہ اندیش اس مقام پر یہ اعتراض نہ کرے
کہ عقل کے مراتب کمالات کی انتہا تو یہ ہونی چاہئے
کہ وہ معاش اور معاد دونوں کو بھول جانے میں
پختگی حاصل کرلے۔ کیونکہ ابتدا میں بھی اس کی فکر کا مرکز، خواہ دنیا ہو یا
آخرت، ہر جگہ سوائے حق سبحانہ وتعالیٰ کے اور کچھ بھی نہیں ہوتا (تو انتہا
میں تو اور بھی یہ صورت ہونی چاہیے)۔

اس کے جواب میں میں کہتا ہوں کہ یہ نسیان سنائے راہ میں فنا
فی اللہ کے مقام میں اسے حاصل ہوا تھا۔ لیکن یہ کمال (جس کی گفتگو یہاں
ہو رہی ہے) اس مقام سے بہت منزلیں آگے کی ہے۔ یہاں تو حصول
جہل کے بعد علم کا واپس آنا ہے اور جمع کے ثبوت کے بعد فرق و امتیاز
کا دوبارہ لوٹنا ہے۔ اور کفر طریقت کے بعد جو مرتبہ جمع میں حاصل ہوتا ہے
اسلام حقیقی کا حاصل ہونا ہے۔ فلاسفہ نے جو بہت ہی بے وقوف واقع
ہوئے ہیں، عقل کے اندر جو چار مرتبے ثابت کئے ہیں اور کمالات عقل کو
انہی چار مرتبوں میں منحصر سمجھا ہے تو یہ ان کی انتہائی حماقت ہے عقل کی

حقیقت کو ان کمالات کے باوجود حواس کے تابع ہیں عقل اور وہم کے ساتھ نہیں سمجھا جا سکتا۔ (ان حقائق کو سمجھنے کے لئے) ایسے کشفِ صحیح اور الہامِ صریح کی ضرورت ہے جو انوارِ نبوت کے فانوس سے مقتبس ہوں۔ صَلَوَاتُ اللّٰہِ تَعَالٰی وَتَسْلِیْمَاتُہٗ عَلٰی جَمِیْعِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ عُمُوْمًا وَّ تَسْلِیْمَاتُہٗ عَلٰی حَبِیْبِ اللّٰہِ خُصُوْصًا۔ (ترجمہ: اللہ کی رحمتیں اور اس کی سلامتیاں تمام انبیاء و مرسلین پر عموماً نازل ہوں اور بالخصوص اللہ تعالیٰ کے حبیب پر خصوصیت کے ساتھ)

ایک سوال اور اس کا جواب

اگر لوگ دریافت کریں کہ مشائخ کی عبارتوں میں جو واقع ہوا ہے کہ عقل، روح کی ترجمان ہے تو اس کے معنی کیا ہوں گے؟ (اس کے جواب میں) ہم کہتے ہیں کہ جو علوم و معارف روحانی تلقی (لینے اور اخذ کرنے) کے ذریعے سے مبدأ فیاض سے جاری ہوتے ہیں انھیں قلب، جس کا تعلق عالمِ ارواح سے ہے، اخذ کر لیتا ہے۔ اس قلب کی ترجمان عقل ہے جو انھیں ضبطِ تحریر میں لا کر ان کا خلاصہ تیار کر کے ان لوگوں کے لئے قابلِ فہم بناتی ہے جو عالمِ خلق کے گرفتار ہیں۔ کیونکہ اگر عقل ترجمانی نہ کرے تو ان کو سمجھنا ہی دشوار بلکہ ناممکن ہو جائے اور چونکہ مضغۂ قلبیہ، حقیقتِ جامعۂ قلبیہ کا خلیفہ ہے ۳۷ اس لئے اس نے بھی اصل کی حیثیت حاصل کر لی ہے اور اس کی تلقی (اخذ کرنے اور حاصل کرنے کی صلاحیت) بھی روحانی تلقی بن گئی ہے اور ترجمان کی محتاج ہو گئی ہے۔ جاننا چاہئے کہ عقلِ معاد پر ایک ایسا وقت بھی آجاتا ہے جو نفسِ مطمئنہ کی ہمسائیگی کے شوق کا باعث بن جاتا ہے اور یہ

شوق اس حد تک بڑھتا ہے کہ عقلِ معاد کو نفسِ مطمئنہ کے مقام تک پہنچا دیتا ہے۔ اس حالت میں عقلِ معاد قالب کو تہی اور خالی چھوڑ جاتی ہے اور اس وقت تعقل (سمجھنے) اور تذکر (یاد رکھنے) کی صلاحیت بھی (عقلِ معاد کی بجائے) اسی قلبی لوتھڑے میں قرار پا جاتی ہے۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَذِکْرٰی لِمَنْ کَانَ لَہٗ قَلْبٌ (اس حقیقت میں ان لوگوں کے لئے نصیحت ہے جو قلب رکھتے ہوں) اور اس وقت وہی قلب خود اپنا ترجمان بن جاتا ہے۔ اس وقت عارف کا معاملہ قالب کے ساتھ پیش آتا ہے۔ اس کا آتشی (ناری) جزو جس کی طبیعت اور ذات سے اَنَا خَیْرٌ مِّنْہُ (میں اس سے بہتر ہوں) کی صدائیں ظاہر ہوا کرتی تھیں مطیع و فرماں بردار بن جاتا اور رفتہ رفتہ اسلامِ حقیقی کے شرف سے مشرف ہوتا جاتا ہے۔ لہٰذا کارکنانِ قضاء و قدر ابلیسی خلعت کو اس سے دور کر کے اُسے نفسِ مطمئنہ کے اصلی مقام پر پہنچا دیتے ہیں اور اس کا قائم مقام بنا دیتے ہیں یعنی قالب (جسم) میں قلبِ حقیقی کا خلیفہ مضغۂ قلب ہوا اور نفسِ مطمئنہ کا قائم مقام آتشی (ناری) جزو بنا۔ ع

زرشک ہستیِ وجودِ من از کیمیائے عشق

(ترجمہ) کیمیائے عشق سے سونا بنی خاکِ وجود

اور (جسم انسانی کا دوسرا جزو یعنی) جزو ہوائی، روح کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے۔ لہٰذا سالک جس وقت ہوا کے مقام پر پہنچا اور وہاں تک عروج حاصل کرتا ہے تو کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ اسی ہوا کو حقانیت کا عنوان

سمجھ لیتا ہے اور اس میں گرفتار ہو جاتا ہے جیسا کہ روح کے مقام میں بھی
اسی قسم کا (مغالطہ آمیز) مشاہدہ حاصل ہوتا ہے، اور سالک اسی میں گرفتار
ہو کر رہ جاتا ہے۔ بعض مشائخ نے فرمایا ہے کہ میں تیس سال تک روح
ہی کو خدا سمجھ کر پرستش کرتا رہا، اور جب کارکنانِ قضا و قدر نے مجھے
اس مقام سے گذار دیا تو حق باطل سے جدا ہو گیا۔ اور یہ جزو ہوائی
مقام روحی کے ساتھ مناسبت رکھنے کی وجہ سے اس قالب میں روح
۳۸ کا قائم مقام بن جاتا ہے اور بعض معاملات میں وہ روح کے حکم میں
یعنی اس کی مانند ہو جاتا ہے۔ اور جسم انسانی کا تیسرا جزو (یعنی) جزو آبی
حقیقت جامعہ قلبیہ سے مناسبت رکھتا ہے اور اسی سے اس کا فیض تمام
چیزوں میں پہنچتا ہے۔ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ (اور ہم نے ہر چیز کو
پانی سے جاندار کیا) اس کی جبلت میں نرمی بھی ہے اور دست و گو خاک کا بوجھا
ہے اور (جسم انسانی کا چوتھا جزو یعنی) جزو ارضی (جو اس قالب
(جسم) کا جزو اعظم ہے اپنی کمینگی اور خست کی نسبت (آلودگی) سے
چونکہ اس کی ذاتی صفات ہیں پاکی حاصل کر لینے کے بعد وہی اس قالب
میں حاکم اور غالب ہو جاتا ہے۔ اور قالب میں جو کچھ بھی ہے وہ اسی
کے حکم میں ہو جاتا ہے اور اسی کا رنگ اختیار کر لیتا ہے۔ اس کی یہ
حیثیت اس کی مکمل جامعیت کی وجہ سے ہوتی ہے۔ کیونکہ قالب کے
تمام اجزاء درحقیقت اسی کے اجزاء ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ کرۂ زمین
ہی عناصر اور افلاک کا مرکز قرار دیا گیا ہے۔ ورنہ زمین کا مرکز ہی پوری دنیا کا

مرکز ہے۔ اس وقت قالب کا معاملہ بھی اپنے انجام کو پہنچ جاتا ہے اور انتہائی عروج اور نزول ثابت ہو جاتا ہے اور جمیس کا کمال اس وقت حاصل ہو جاتا ہے۔ یہ ہے وہ انتہا (نہایت) جو ابتداء (بدایت) کی طرف رجوع رکھتی ہے۔

فرق بعد الجمع جاننا چاہئے کہ روح اپنے مرتبوں اور اپنی تابع چیزوں کے ساتھ اگرچہ عروج کے طے کرنے پر جس مقام تک پہنچ چکی ہوتی ہے لیکن چونکہ ابھی اسے قالب کی تربیت درپیش ہے اس لئے اس دنیا کی طرف اسے متوجہ رہنا پڑتا ہے۔ اور جب قالب کا معاملہ اپنے انجام کو پہنچ جاتا ہے تو روح (دیگر لطائف) سر، خفی، اخفیٰ یعنی قلب، نفس اور عقل کے ساتھ بارگاہِ قدسِ خداوندی جل سلطانہٗ کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے اور اس قالب سے پوری طرح روگردانی اختیار کر لیتی ہے اور قالب بھی پورے طور پر (یعنی اپنے تمام اجزاء کے ساتھ) مقامِ عبودیت کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد روح اپنے تمام مراتب کے ساتھ مقامِ شہود و حضور میں قرار پا لیتی ہے۔ اور ماسویٰ کی دید و دانش سے مکمل طور پر روگرداں ہو جاتی ہے، اور قالب پورے طور پر مقامِ اطاعت اور بندگی میں راسخ ہو جاتا ہے۔ یہ ہے فرق بعد الجمع کا مقام (یعنی جمع ہونے کے بعد جدا ہو جانے کا مقام)۔ واللہ سبحانہٗ الموفق (اللہ تعالیٰ ان کمالات کی توفیق عطا فرمانے والا ہے)۔ اور اس فقیر کو اس مقام میں خصوصی رسائی حاصل ہے۔ یہ مقام روح کے لئے تمام مراتب کے ساتھ عالمِ خلق

کی طرف لوٹ آنے کا مقام ہے تاکہ لوگوں کو حق جل و علا کی طرف دعوت
دے" اور روح اس وقت میں قلب کے حکم میں (یعنی اس کی مانند) ہو جاتی ہے
اور اسی کی تابع ہو جاتی ہے اور معاملہ اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ اگر قلب
حاضر ہے تو روح بھی حاضر ہے اور اگر قلب غافل ہے تو روح بھی غافل
ہے بجز نماز ادا کرنے کے وقت روح اپنے تمام مراتب کے ساتھ
بارگاہ قدس جل شانہ کی طرف متوجہ ہوتی ہے اگرچہ قلب غافل ہی کیوں
نہ ہو۔ کیونکہ نماز تو مومن کی معراج ہوتی ہے

دعوت کا کامل ترین مقام جاننا چاہئے کہ واصل شخص کا یہ رجوع جو
پورے طور پر واقع ہوتا ہے، دعوت کے کامل ترین مقامات میں سے ہے۔
یہ غفلت ایک کثیر جماعت کے حضور کا سبب بنتی ہے۔ غافل لوگ اس
غفلت (کی حقیقت) سے غافل ہیں، اور جو صاحب حضور ہیں وہ اس رجوع
سے لاعلم ہیں۔ یہ مقام درحقیقت قابل مدح ہے، لیکن بظاہر مذمت کے
مشابہ معلوم ہوتا ہے۔ ہر کوتاہ اندیش کی فہم اس مقام تک نہیں پہنچ سکتی۔
اگر میں اس غفلت کے کمالات بیان کروں تو کوئی آدمی بھی نفس حضور
کی خواہش اور آرزو نہ کرے۔ یہ وہی غفلت تو ہے جو نوعِ انسانی کے
خواص کو نوعِ ملک کے خواص پر فضیلت بخشتی ہے۔ یہ وہی غفلت
تو ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو رحمتِ عالمیان
کے درجے پر فائز کر دیتی ہے۔ یہ غفلت وہی تو ہے جو ولایت کے درجہ سے
نبوت کے درجے تک پہنچا دیتی ہے۔ اور یہ غفلت وہی تو ہے جو نبوت

رسالت کے درجہ تک پہنچا دیتی ہے۔ یہ غفلت ہی تو ہے جو معاشرے میں رہنے والے
اولیاء اللہ کو گوشہ نشین اولیاء اللہ پر فضیلت بخشتی ہے۔ یہ وہی غفلت
تو ہے جو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت
صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر سبقت عطا کرتی ہے، حالانکہ وہ دونوں ایک
ہی گھوڑے کے دونوں کانوں کی طرح (یعنی تقریباً مساوی مرتبہ پر فائز) تھے۔
ھنا۱ یہ وہی غفلت تو ہے جو ہوشمندی (صحو) کو مستی (سکر) پر ترجیح دیتی ہے۔
یہ وہی غفلت تو ہے جو نبوت کو ولایت سے افضل قرار دیتی ہے کوتاہ
اندیشوں کے خیال کے برخلاف۔ یہ وہی غفلت ہے جس کی وجہ سے
قطب ارشاد، قطب ابدال پر فضیلت حاصل کر لیتا ہے۔ یہ وہی
غفلت تو ہے جس کی صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی آرزو فرماتے ہیں
چنانچہ وہ کہتے ہیں: یا لیتنی کنت سہو محمد (اے کاش میں حضرت محمد
صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بھول ہوتا)۔ یہ وہی غفلت ہے کہ حضور اس کے
سامنے ایک ادنیٰ ترین خادم کی حیثیت رکھتا ہے۔ ہاں! یہ وہی غفلت
تو ہے کہ وصول اس کے حصول کا نتیجہ ہے۔ ہاں! یہ وہی غفلت
ہے جو بظاہر تنزل نظر آتی ہے لیکن درحقیقت بلندی ہے۔ ہاں ہاں!

۱ صاحب صحو ذات حق کی طرف مشغول ہونے کے باوجود تمام امور میں مخلوق کی طرف بھی مشغول
ہوتا ہے یہ مشغولیت ایک گونہ غفلت کو مستلزم ہے۔ اور صاحب سکر مخلوق سے بالکل غافل
ہو کر ذات حق میں کلی طور پر مستغرق ہوتا ہے اس کے باوجود صاحب صحو کو اس پر فضیلت ہے
کیونکہ وہ امر الٰہی سے مخلوق کی اصلاح و تربیت میں مشغول ہو کر خلیفۃ اللہ ہونے کا
فرض انجام دیتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ مترجم

یہ وہی غفلت ہے جو خواص کو عوام کے مشابہ بنادیتی ہے اور عوام کے لئے ان کے کمالات کے حجاب اور پردے بن جاتی ہے۔ ع

گر بگویم شرح ایں بیحد شود

(ترجمہ)

جو اس کی شرح کروں بے حساب ہو جائے

اَلقَلِیْلُ یَدُلُّ عَلَی الْکَثِیْرِ وَالْقَطْرَۃُ تُنْبِئُ عَنِ الْبَحْرِ الْغَدِیْرِ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَۃَ الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ مِنَ الصَّلَوَاتِ وَالتَّسْلِیْمَاتِ اَتَمُّھَا وَاَکْمَلُھَا (تھوڑی سی بات سے زیادہ بات پر رہنمائی حاصل ہو جاتی ہے وہ یک قطرہ بے پایاں سمندر کی خبر دیتا ہے۔ اور سلامتی ہو اُن پر جو ہدایت کی پیروی کریں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وعلی آلہ من الصلوات والتسلیمات اتمہا واکملہا کی پیروی کو اپنے لئے لازم کرلیں)

۱۴- منہا

پیغمبر اسلام کا خصوصی امتیاز حضرت رسالت خاتمیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، باقی تمام انبیاء علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے درمیان تجلی ذاتی کے سلسلے امتیازی درجہ رکھتے ہیں۔ اور اس دولت (عظمیٰ) کے ساتھ جو تمام کمالات سے اونچی چیز ہے آپؐ کی بارگاہ مخصوص ہے۔ اور آپؐ کی پیروی کرنے والوں میں سے کاملین اولیاء کا بھی اس مقام خاص میں حصہ ہے۔ کوئی معترض یہ نہ کہے کہ اس قیاس پر تو یہ لازم آتا ہے کہ اس اُمّت کے کاملین اولیا تمام انبیا علیہم السلام سے بھی افضل ہوں حالانکہ یہ بات اہل سنت والجماعت رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے اعتقاد کے

خلاف ہے۔ اور یہ فضیلت کوئی جزئی فضیلت بھی نہیں ہے جو یہ کہہ کر اس شبہ کو رفع کیا جائے۔ بلکہ یہ فضیلت کلی ہے کیونکہ لوگوں کا ایک دوسرے سے افضل ہونا محض قرب الٰہی جل شانہٗ کی وجہ سے ہوتا ہے اور جو فضیلت بھی ہو وہ اس فضیلت سے کمتر ہی کم ہے۔

اس کے جواب میں میں کہتا ہوں کہ میرے اس بیان سے کہ اس امت (محمدیہ) کے کاملین کا اس مقام میں حصہ ہوتا ہے، یہ لازم نہیں آتا کہ وہ اس مقام پر واصل بھی ہو چکے ہوں۔ اور فضیلت کا انحصار واصل ہونے پر ہے۔ اس امت کے جو کہ خیر الامم ہے، کاملین کا انتہائی عروج، انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے قدموں کے نیچے تک ہی ہوتا ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ باوجودیکہ انبیاء علیہم الصلوات والتحیات کے بعد پوری نوعِ انسانیت کی سب سے بزرگ اور افضل ترین شخصیت ہیں۔ لیکن ان کا انتہائی عروج بھی کسی نبی کے قدم کے نیچے تک ہی ہوتا ہے جو تمام انبیاء کے درجات سے کمتر درجہ ہے۔

ساری بحث کا حاصل یہ ہے کہ اس امت کے کامل تابعداروں کو اس مقام میں جو مقام فوق الفوق کے کمالات سے نیچے کا مقام ہے پورا حصہ حاصل ہوتا ہے اور یہ فوق الفوق کا مقام ان کے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے۔ خادم جہاں کہیں بھی ہو اپنے مخدوم کے پاس خود پہنچ ہی جاتا ہے۔ دور کا خادم بھی مخدوم کے طفیل سے وہ کچھ حاصل کر لیتا ہے کہ نزدیکی والے لوگوں کو خدمت کی

دولت کے بغیر میسر نہیں آتا۔

در قافلہ کہ اوست دانم نرسم — این بس کہ رسد ز دور بانگ جرسم

(ترجمہ) وہ کہ جس قافلے میں جاتا ہوں میں نہ پہنچوں گا — یہی بس ہے کہ آئے دور سے بانگ جرس مرا

جاننا چاہیے کہ مریدوں کو بھی بعض اوقات اپنے پیروں کے سلسلے میں یہ توہم پیدا ہو جایا کرتا ہے اور انھیں اپنے پیروں کے مقامات کا حصول (پیروں کے ساتھ) مساوات کے خیال میں گرفتار کر دیتا ہے۔ حالانکہ معاملہ کی حقیقت یہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی۔ مساوات کا حصول اس وقت ہو سکتا ہے جبکہ مرید ان مقامات پر واصل ہو جائے۔ ان مقامات کے صرف حصول پر منحصر نہیں، کیونکہ حصول تو خود طفیلی ہے۔ (یعنی پیر کے طفیل سے حاصل ہو گیا ہے)۔ اس بات سے کوئی شخص یہ گمان بھی نہ کرے کہ مرید اپنے پیر کے برابر ہو ہی نہیں سکتا۔ ایسا نہیں ہے، بلکہ (ص ۴۲) مساوات ممکن و جائز ہے بلکہ واقع بھی ہوتی ہے۔ لیکن کسی مقام کے حاصل ہونے اور اس مقام پر واصل ہو جانے کے درمیان بہت ہی باریک فرق ہے ہر مرید کو اس دولت کی طرف ہدایت حاصل نہیں ہوتی۔ اس فرق کو سمجھنے میں کشف صحیح اور الہام صریح درکار ہے۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ اَلْمُلْہِمُ بِالصَّوَابِ وَ السَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی (اور اللہ سبحانہ ہی صحیح بات دل میں ڈالنے والا ہے۔ اور سلامتی ہو ان پر جو ہدایت کی پیروی کریں)

٭

۱۵۔ منہا

احوال پیش آکر غائب کیوں ہو جاتے ہیں؟ ایک فقیر (سالک) نے دریافت کیا کہ اس کی وجہ کیا ہے کہ اس راہ پر چلنے والے کو ایک حالت پیش آتی ہے اور ایک عرصہ تک۔ وہ برقرار رہتی ہے اور اس کے بعد غائب ہو جاتی ہے اور ایک مدت کے بعد پھر وہی حالت ظاہر ہوتی ہے اور کچھ زمانے کے بعد پھر غائب ہو جاتی ہے۔ وَھٰکَذَا اِلٰی مَا شَاءَ اللّٰہُ تَعَالٰی (اور جب تک خدا تعالی چاہتا ہے یہی صورت رہتی ہے)۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہر آدمی کے سات لطیفے ہوتے ہیں اور ہر لطیفہ کی حکومت اور غلبہ کی مدت جداگانہ ہوتی ہے۔ پھر اگر وارد ہونے والی حالت ان میں سے لطیف ترین لطیفہ پر وارد ہوتی ہے اور کوئی قوی حالت اس پر نزول کرتی ہے تو سالک کی مجموعی کیفیت (کلیت) اسی لطیفہ کے رنگ میں رنگی جاتی ہے۔ اور وہی حالت تمام لطیفوں میں سرایت کر جاتی ہے اور جتنے عرصے تک اس لطیفہ کا غلبہ قائم رہتا ہے یہی حالت باقی رہتی ہے۔ اور جب اس لطیفہ کا غلبہ ختم ہو جاتا ہے تو وہ حالت بھی زائل ہو جاتی ہے۔ اور ایک مدت کے بعد اگر پھر وہی حالت دوبارہ واپس لوٹ آتی ہے تو دو صورتوں سے خالی نہیں ہوتی۔ یا تو حالت اسی پہلے لطیفہ پر لوٹتی ہے، اس وقت ترقی کی راہیں اس سالک پر مسدود ہو جاتی ہیں اور اگر کسی دوسرے لطیفہ پر وارد ہوتی ہے تو

ترقی کا راستہ کھل جاتا ہے۔ اور یہی دوسرے لطیفہ میں بھی وہی پہلے
لطیفہ والا معاملہ ہوتا ہے۔ کیونکہ اس حالت سے واقف ہو جانے کے بعد
اگر وہی حالت دوبارہ واپس آتی ہے تو وہ بھی سابق دو صورتوں سے خالی
نہیں ہوتی۔ وَهٰكَذَا حَتّٰى جَمِيعِ اللَّطَائِفِ (یہ صورت تمام لطیفوں کی ہے) ص ۴۳
پس اگر وہ وارد ہونے والی کیفیت تمام لطیفوں میں اصالۃً سرایت کر جائے
تو صاحب حال سے مقام کی طرف منتقل ہو جاتا ہے (یعنی صاحب حال)
سے صاحب مقام بن جاتا ہے اور زوال سے محفوظ رہتا ہے۔ وَاللّٰهُ
سُبْحَانَهُ أَعْلَمُ بِحَقِيقَةِ الْحَالِ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِنَا النَّبِيِّ
وَآلِهِ الْأَطْهَارِ (اور شیخ۔ و تعالیٰ حقیقت حال کو سب سے زیادہ جانتے ہیں)
اور درود و سلام ہو سردار دو جہاں اور آپ کی آل اطہار پر)۔

۱۶- منہا

آیتِ قرآنی کی لطیف تشریح (اس عبارت کا ترجمہ ملاحظہ ہو)

"حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ
طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ

(یعنی اے ایمان والو! ان پاکیزہ چیزوں سے کھاؤ جو ہم نے تمہیں
بطور رزق عطا فرمائی ہیں اور اللہ کا شکر ادا کرو۔ اگر تم اسی کی
عبادت کرتے ہو) اس آیت میں یہ سمجھایا ہے کہ یہ شرط (کہ اگر تم
اسی کی عبادت کرتے ہو) اس مرتبے کی نگرانی ہو جو کھانے کے لئے
فرمایا گیا ہے (یعنی پاکیزہ چیزوں سے کھاؤ) یعنی جو کچھ ہم نے

نہیں رزق دیا ہے اس میں سے لذیذ چیزیں کھاؤ بشرطیکہ تمہاری
طرف سے یہ بات صحیح ہو کہ تم اس کی عبادت کے لئے خدا ہی کی
ذات کو مخصوص کرتے ہو۔ اور اگر آپ کی جانب سے یہ بات صحیح
نہ ہو بلکہ تم اپنے نفس کی لہو و لعب میں ڈالنے والی خواہشات کی
بندگی کرتے ہو تو ان پاکیزہ چیزوں کو نہ کھاؤ کیونکہ اس
صورت میں تم بیمار ہو اور ایسی مرض میں گرفتار ہو اور جو چیزیں بطور
رزق کے دی گئی ہیں ان میں سے پاکیزہ تر چیزیں تمہارے لئے زہر
قاتل ہیں۔ ہاں جب تمہارا باطنی مرض جاتا رہے تو ان پاکیزہ چیزوں
کا کھانا تمہارے لئے درست ہو جائے گا۔ صاحب کشاف
علامہ زمخشریؒ نے سرے سے بات کا ہی خاکہ کرتے ہوئے اس جگہ
طیبات کی تفسیر مستلذات (لذیذ و پسندیدہ چیزوں) سے
کی ہے۔

۱۷ - منہا

کیا معرفت کے بعد کوئی لغزش (ہولی عربی کا ترجمہ ملاحظہ ہو)۔ نقصان دہ نہیں ہوتی؟ بعض مشائخ قدس اللہ تعالیٰ سرہ کا

لہ ابوالقاسم محمود بن عمر خوارزمی علامہ زمخشری۔ صاحب کشاف کے نام سے مشہور ہیں
عربی زبان، ادب، علوم دین میں زبردست تھے۔ ۲۷ رجب ۴۶۷ھ کو خوارزم میں
پیدا ہوئے۔ مکہ مکرمہ میں مدتوں مقیم رہے اسی وجہ سے جار اللہ کے لقب سے
مشہور ہوئے۔ اعتزال کی جانب مائل تھے۔ آپ کی زیادہ شہرت کلام مجید کی تفسیر کشاف
کی وجہ سے ہے۔ وفات عرفہ کے دن ۵۳۸ھ خوارزم میں جرجانیہ کے مقام پر ہوئی۔

ارشاد ہے کہ "جس نے خدا کی معرفت حاصل کر لی اسے کوئی گناہ
نقصان نہیں دیتا"۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے معرفت
حاصل کرنے سے پہلے جن گناہوں کا ارتکاب کر لیا تھا وہ اسے نقصان
نہیں دیتے کیونکہ اسلام قبول کرنے سے پہلے جو گناہ ہو چکے ہوں انہیں
اسلام بالکل ختم کر دیتا ہے اور صوفیہ کے طریقے پر حقیقی اسلام
فنا اور بقا کے بعد اللہ تعالیٰ کی معرفت ہی ہے۔ لہذا
اس معرفت کا حصول ان گناہوں کو جو اس سے پہلے سرزد ہو چکے
ہوں ختم کر دیتا ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ گناہ سے مراد وہ گناہ
ہوں جو اس معرفت کے بعد سرزد ہوں۔ اس صورت میں گناہ سے
مراد صغیرہ گناہ ہوں گے کبیرہ نہیں ہوں گے۔ کیونکہ ولی اللہ کبیرہ
گناہوں سے محفوظ ہوتے ہیں۔ صغیرہ گناہ اس لئے نقصان نہیں دیتے
کہ عارف ان پر اصرار نہیں کرتا اور بغیر کسی فصل کے فوراً ہی اس کا
تدارک توبہ اور استغفار سے کر لیتا ہے ــــــ نیز یہ بھی ممکن ہے کہ
اس کا مطلب یہ ہو کہ عارف سے کوئی گناہ صادر ہی نہیں ہوتا کیونکہ
گناہوں کا صادر ہونا ان کے نقصان دینے کیلئے ملزوم ہے۔
اور ان کا نقصان دینا اس کے لئے لازم ہے یعنی جب کوئی شخص
گناہ ہی نہیں کرے گا تو لازماً اسے ان کا نقصان بھی نہیں پہنچے گا لہذا
لازم کو ذکر کر کے ملزوم مراد لیا گیا ہے۔ اور جو کچھ محشیوں نے اس
عبارت سے توہم کیا ہے کہ عارف کے لئے گناہوں کا ارتکاب

کرنے کی گنجائش ہے کیونکہ وہ اسے اعتبار نہیں دیتے تو یہ وہم
محض باطل ہے اور صریح زندقہ ہے۔ أُولَٰئِكَ حِزْبُ الشَّيْطَانِ
أَلَا إِنَّ حِزْبَ الشَّيْطَانِ هُمُ الْخَاسِرُونَ رَبَّنَا لَا تُزِغْ
قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً
إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ (یہ لوگ شیطان کی ٹولی والے ہیں
خبردار رہو کہ شیطان کی ٹولی والے ہی خسارے میں رہتے ہیں۔ اے
ہمارے پروردگار! تو ہمارے دلوں کو ہدایت عطا فرمانے کے بعد کجی
کی طرف مائل نہ فرما اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما۔ بیشک تو
بہت عطا فرمانے والا ہے) اور حق تعالیٰ ہی بخشش، سلامتی کو
برکتیں نازل فرمائے ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل پر
میں خداوند کریم (کی ذات) سے جس کی مغفرت بڑی ہی وسیع
ہے یہی امید رکھتا ہوں کہ ایسے عارف کو جو اسلام کی حقیقت سے
واقعی آشنا ہو چکا ہو معرفت سے قبل ارتکاب کردہ گناہوں سے
کوئی نقصان نہیں پہنچے گا اگرچہ وہ گناہ مظالم اور حقوق العباد کی
قسم ہی سے کیوں نہ ہوں کیونکہ حق تعالیٰ سبحانہ ہی مالک مطلق
ہے۔ اور بندوں کے قلوب اس کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں
کے درمیان ہیں۔ وہ انھیں جس طرح چاہتا ہے الٹ پلٹ رہتا ہے
اور محض اسلام کا قبول کرنا ہی گناہوں کو ختم کر دیتا ہے، سوائے
مظالم اور بندوں کے حقوق کے جیسا کہ ظاہر ہے، پس بیشک

حقیقت در کمال کو ایسی برتری اور فضیلت ہوتی ہے جو
اس چیز کو مطلق صورت میں حاصل نہیں ہوتی۔

۱۸ ۔ منہا

وجودِ باری تعالیٰ کے سلسلہ میں خصوصی معرفت

حق سبحانہ و تعالیٰ اپنی ذات کے ساتھ
موجود ہے نہ کہ وجود کے ساتھ،
برخلاف باقی تمام موجودات کے کہ
وہ سب وجود کے ساتھ موجود ہیں۔ اس صورت میں حق تعالیٰ کو موجود
ہونے کے لئے وجود کی احتیاج لازمی نہیں آتی جو اس سے بچنے کے لئے
لوگوں کو یہ کہنا پڑے کہ حق تعالیٰ کا وجود عینِ ذات ہے زائد نہیں ہے۔ ۳۵
تاکہ غیر کی احتیاج لازم نہ آئے۔ وہ حق جل سلطانہ کے لئے وجود کے
عینِ ذات ہونے کا اثبات کرنے کے لئے متعدد دلائل کا محتاج ہونا پڑا
ہے اور اس صورت میں ہمیں خصوصیت کے ساتھ جمہور اہلِ سنت و الجماعت
کی مخالفت بھی کرنی پڑتی ہے کیونکہ یہ بزرگ وجود کے عینِ ذات ہونے
کے قائل نہیں ہیں۔ وہ وجود کو زائد سمجھتے ہیں۔ یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ اگر
ہم ذات واجب تعالیٰ و تقدس کو بے وجود کے ساتھ موجود کہیں جو اس
کی ذات پر زائد ہو تو وجود زائد ہے کو بہ حکما اس بات کو مستلزم ہو کہ ذاتِ واجب تعالیٰ
و تقدس غیر کی طرف محتاج ہو۔ لیکن اگر ہم یہ کہیں کہ وہ اپنی ذات کے
ساتھ موجود ہے، اور اس وجود کو ہم ایک عرضِ عام کی حیثیت سے لیں تو
جمہور متکلمین اہلِ حق کی بات بھی درست ہو جاتی ہے اور احتیاج کا اعتراض

بھی جو مخالفین پیش کرتے ہیں پوری طرح دور ہو جاتا ہے ۔ اس بات کے درمیان کہ واجب تعالیٰ کو اپنی ذات کے ساتھ موجود کہیں اور وجود کو اس میں بالکل کوئی دخل نہ دیں اور اس بات کے درمیان کہ اسے وجود کے ساتھ موجود کہیں اور اس وجود کو عین ذات ثابت کریں ، (ان دونوں باتوں کے درمیان) واضح فرق ہے ۔ یہ معرفت ان خصوصیات میں سے ہے جن کے ساتھ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے مجھے مخصوص فرمایا ہے ۔ اس پر اللہ سبحانہٗ کا حمد و شکر کرتا ہوں اور اس کے رسول پر درود و سلام بھیجتا ہوں ۔

۱۹۔ منہا

مزید وضاحت ۔ حضرت واجب الوجود تعالیٰ و تقدس کی خصوصیات میں سے یہ بات ہے کہ وہ اپنی ذات کے ساتھ موجود ہو اور اپنے موجود ہونے میں قطعاً وجود کا محتاج نہ ہو ۔ خواہ ہم وجود کو عین ذات مانیں یا ذات پر زائد کہیں ۔ ان دونوں صورتوں ، یعنی عینیت اور زیادتی میں وہی بات جس سے بچنے کی کوشش کی گئی تھی لازم آتی ہے ۔ یعنی عینیت ماننے کی صورت میں لمبی چوڑی دلیلوں کی ضرورت پڑتی ہے اور جمہور اہلِ سنت کی مخالفت بھی لازم آتی ہے اور زائد ماننے کی صورت میں ذاتِ حق کیلئے غیر کا محتاج ہونا لازم آتا ہے) چونکہ حضرت حق کی سنت اس انداز پر جاری ہے کہ جو کچھ مرتبۂ وجوب میں پایا جاتا ہے اس کا نمونہ امکان کے ہر مرتبہ میں بھی ظاہر فرما دیتا ہے عَلِمَهٗ اَحَدٌ اَوْ لَمْ يَعْلَمْهُ (یعنی اسے کوئی جانے یا نہ جانے) حق تعالیٰ نے عالمِ امکان میں اس خصوصیتِ واجب الوجود کا ایک نمونہ وجود کو بنایا ہے ـــ

کیونکہ وجود حقیقت میں اگرچہ موجود نہیں ہے اور اس کا شمار معقولاتِ ثانیہ میں ہوتا ہے۔ لیکن اگر ہم اس کے وجود کو فرض کریں تو وہ بذاتِ خود ہی موجود ہوگا۔ کہ کسی دوسرے وجود کے ساتھ برخلاف دوسری موجودات کے کہ ان کا موجود ہونا وجود کا محتاج ہے تو ذات ان کی ذاتیں اپنے وجود کے لئے کافی نہیں ہیں۔ پس جبکہ وہ وجود جسے لوگوں نے اشیا کے موجود ہونے میں دخیل تسلیم کیا ہے، اگر موجود ہوگا تو اپنی ذات ہی کے ساتھ موجود ہوگا اور کسی دوسرے وجود کا محتاج نہیں ہوگا خالقِ موجودات تعالیٰ و تقدس، اگر مستقل طور پر اپنی ذات ہی کے ساتھ موجود ہو اور قطعاً وجود کا محتاج نہ ہو تو اس میں تعجب کی کونسی بات ہے۔ حقیقت سے دور لوگ اگر اسے بعید (ناممکن) سمجھتے ہیں تو یہ بات مبحث سے خارج ہے۔ وَاللہُ سُبْحَانَہٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ (اور اللہ سبحانہ ہی صحیح بات دل میں ڈالنے والا ہے)

ایک اعتراض: اگر کوئی شخص یہ کہے کہ حکما اور اسی طرح بعض خود ساختہ صوفیہ جو ذاتِ حق تعالیٰ و تقدس کے لئے وجود کے عین ہونے کے قائل ہوئے ہیں تو وہ بھی یہی بات کہتے ہیں جو تم نے گذشتہ معرفت میں کہی ہے کہ واجب الوجود (ذاتِ حق) تعالیٰ و تقدس بذاتِ خود موجود ہے نہ کہ وجود کے ساتھ۔ پس اس بات کے معنی کہ (واجب الوجود) ایک ایسے وجود کے ساتھ موجود ہے جو اس کی ذات کا عین ہے، یہی ہیں کہ وہ بذاتِ خود موجود ہے، نہ کہ وجود کے ساتھ۔

جواب | تو اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ اس مفروضہ کی بنا پر تو اس مسئلہ میں اہل سنت کا ان حضرات کے ساتھ کوئی اختلاف ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس صورت میں تو آپ لوگوں کے مقابلے میں یوں کہنا چاہیئے تھا کہ حق تعالیٰ وجود کے ساتھ موجود ہے بذات خود موجود نہیں ہے تاکہ اختلاف کی کوئی شکل ہو سکتی۔ اس مفروضہ سے وجود کی زیادتی کا ثابت کرنا غلط ہے۔ اب وجود کے زائد ہونے کا مطلب تو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ فریقین کا اختلاف خود وجود کے بارے میں نہیں ہے بلکہ اس کے وصف کے بارے میں ہے کہ وہ اس کی ذات کا عین ہے یا ذات پر زائد ہے یعنی دونوں فریق اس بات کے تو قائل ہیں کہ حق تعالیٰ وجود کے ساتھ موجود ہے۔ اور اس بات میں ان میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اختلاف ہے تو اس میں ہے کہ یہ وجود اس کی ذات کا عین ہے یا اس کی ذات پر زائد ہے۔

دوسرا اعتراض اگر وہ لوگ یہ کہیں کہ جب واجب الوجود تعالیٰ و تقدس اپنی ذات سے خود موجود ہے تو واجب تعالیٰ کو موجود کہنے کے معنی کیا ہوں گے؟ کیونکہ موجود اس چیز کو کہتے ہیں جس کے ساتھ وجود قائم ہو اور یہاں (آپ نے یہ فرض کر رکھا ہے کہ) وجود مطلق ہے ہی نہیں۔

جواب اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ ہاں جب کوئی وجود جس کے ساتھ ذات واجب تعالیٰ و تقدس موجود ہو، واجب تعالیٰ میں نہیں

ہوگئی یہ بات کہ آخرت میں رویت کا ہونا برحق ہے ہمارا اس پر
ایمان ہے۔ لیکن ہم اس بات کے درپے نہیں ہوتے کہ اس کی کیفیت کیا
ہوگی۔ کیونکہ عوام کی فہم اس کے ادراک سے قاصر ہے۔ اس وجہ سے
نہیں کہ خواص بھی اس کا ادراک نہیں کر سکتے۔ کیونکہ ان کے لئے تو اس
مقام سے اس دنیا میں بھی حصہ ہوتا ہے۔ اگرچہ اس کا نام رویت نہیں رکھا
جاتا۔ اور سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔ ۴۵

منہا - ۲۱

مزید توضیح: جو چیز دید و دانش میں آسکے وہ مقید ہوتی ہے اور اطلاقِ
محض کے مرتبہ سے فروتر ہے۔ اور مطلوب وہ ہے جو کہ تمام قیود سے
مبرا اور منزہ ہو۔ لہذا اس مطلوب یعنی ذاتِ حق کو دید و دانش سے
ماوراء ہی تلاش کرنا چاہئے۔ یہ معاملہ نظرِ عقل کے لحاظ سے پرے (وراء) کی
چیز ہے۔ کیونکہ عقل ایسی چیزوں کی تلاش کو ناممکن سمجھتی ہے جو دید و دانش
سے ماوراء ہوں ؎

راز درونِ پردہ ز رندانِ مست پرس ۔۔۔ کیں حال نیست صوفیٔ عالی مقام را
ترجمہ: رازِ درونِ پردہ تو مستوں سے پوچھئے ۔۔۔ حال کب ہے صوفیٔ عالی مقام کا

منہا - ۲۲

اطلاقِ محض (ذاتِ مطلق اپنے اطلاقِ محض پر موجود ہے۔ اس کے ساتھ
کسی قسم کی قید کو دخل نہیں ہے لیکن چونکہ اس کا ظہور مقید (مخلوق) کے
آئینوں میں ہوتا ہے۔ لہذا اس کا عکس اُن آئینوں کے احکام میں رنگ جاتا ہے

(یعنی وہی رنگ اختیار کر لیتا ہے) اور مقید و محدود نظر آنے لگتا ہے۔ اس طرح وہ لامحالہ دید و دانش میں آجاتا ہے۔ لہٰذا دید و دانش پر اکتفا کر لینا دراصل اس مطلوب کے کسی ایک عکس پر اکتفا کرنا ہوگا۔ لیکن جو لوگ عالی حوصلہ اور بلند ہمت ہوتے ہیں وہ خرد و شہ منظر سے سیری حاصل نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ بلند ہمت لوگوں ہی کو درست رکھتا ہے حق تعالیٰ سبحانہ ہمیں سید البشر علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات کے طفیل بلند ہمت لوگوں میں سے بنائے۔ (آمین)۔

۲۳۔ منہا

فرشتوں پر انسان کی فضیلت ابتدائی حالت میں ایک روز مجھے ایسا نظر آیا کہ میں ایک مکان میں طواف کر رہا ہوں اور ایک دوسری جماعت بھی میرے ساتھ اس طواف میں شریک ہے لیکن اس جماعت کی سست رفتاری اس حد تک پہنچی ہوئی ہے کہ جب تک میں طواف کا ایک پورا دَور ختم کر لیتا ہوں اس عرصہ میں وہ جماعت دو تین قدم کی مسافت ہی طے کر پاتی ہے۔ اسی دوران میں مجھے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ مکان عرش سے اوپر ہے اور طواف کرنے والوں کی یہ جماعت ملائکہ کرامؑ کی جماعت ہے۔ ہمارے نبیؐ پر اور ان سب پر خدا کی رحمتیں اور سلامتیاں نازل ہوں۔ اور خدا اپنی رحمت کے ساتھ جسے چاہتا ہے مخصوص فرما لیتا ہے۔ اور اللہ بہت ہی بڑے فضل والا ہے۔ ۲۹

ہمیشہ کے خسارے میں ڈال دیا۔ سعادت مند وہی ہے جس کی نظر
اہل اللہ کی ظاہر بینی سے کوتاہ ہو گئی اور اس کی نظر کی تیزی ان
بزرگوں کی باطنی صفات تک پہنچ گئی اور ان کے باطن پر ہی لگی رہی۔
تَهُمْ كَيْسَ مِثْلِهِمْ [illegible] يَتَعَجَّبُوْنَ وَ [illegible] (حضرت
اہل اللہ مصر کے دریائے نیل کی طرح ہیں کہ محجوبوں (یعنی بد نصیب ہوئے
لوگوں) کے لئے خون بنا ہوا ہے اور محبوبوں (یعنی سعید لوگوں) کے لئے (صاف شفاف)
پانی کی طرح ہیں) — صفات بشریت کا معاملہ بھی عجیب و غریب ہے
جس قدر اہل اللہ میں ظاہر ہوتی ہیں دوسرے لوگوں میں ظاہر نہیں ہوتیں۔
اس کی وجہ یہ ہے کہ ظلمت اور کدورت اگرچہ تھوڑی سی بھی کیوں
نہ ہو، ہموار اور صاف ستھرے آئینہ میں زیادہ نمایاں ہو کر نظر آتی ہے۔
اس کے مقابل ناہموار اور غیر مصفیٰ مقام میں کتنی ہی زیادہ
کیوں نہ ہو، نمایاں نظر نہیں آتی۔ لیکن صفات بشریت کی تاریکی اور
ظلمت عام لوگوں میں اپنی مجموعی حیثیت یعنی تمام لطائف
(ظاہر و باطن) میں سرایت کر جاتی ہے اور جسم، قلب اور روح تک
میں دوڑ جاتی ہے اور خواص میں یہ ظلمت محض ان کے جسم اور نفس
تک ہی محدود رہتی ہے اور اخص خواص حضرات (خاص الخاص) کا
نفس بھی اس ظلمت سے محفوظ رہتا ہے صرف ان کا جسم ہی اس سے
متاثر ہوتا ہے اور بس۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی ہے کہ یہ ظلمت عام
لوگوں میں نقصان اور خسارہ کا موجب ہوتی ہے اور خواص میں کمال اور

روشنائی کا باعث بن جاتی ہے۔ یہ خواص کی ظلمت ہی تو ہوتی ہے جو
عوام کی ظلمتوں کو دور کرتی ہے۔ ان کے قلوب کو تصفیہ بخشتی اور
ان کے نفوس کو تزکیہ عطا کرتی ہے۔ اگر یہ ظلمت نہ ہوتی تو خواص کو
پھر عوام کے ساتھ کوئی مناسبت ہی نہ ہوتی۔ اور افادہ اور استفادہ
کی راہ ہی مسدود ہو جاتی۔ اور یہ ظلمت خواص میں اس حد تک قائم
نہیں رہتی کہ مکدر کر دے بلکہ ندامت اور استغفار جو اس کے بعد
حاصل ہوتا ہے وہ اتنی ہی اور ظلمت و کدورت کو بھی دور کر دیتا ہے
اور مزید ترقی بھی عطا کرتا ہے۔ یہی ظلمت تو ہے جو ملائکہ میں مفقود ہے
اور جس کی وجہ سے ان پر ترقی کی راہ مسدود ہو گئی ہے۔ یہ ظلمت کیا
تو [illegible] (کسی عیب جو دوست سے مناسب رکھے) کی
قسم سے ہے۔ جو یہ لوگوں کی طرح بے خبر عوام اہل اللہ کی صفات بشریت
کو خود اپنی صفات بشریت کے رنگ میں سمجھ لیتے ہیں اور اس وجہ سے
محروم اور ذلیل و خوار رہتے ہیں۔ غائب کو حاضر پر قیاس کر لینا ہمیشہ غلط
ہوا کرتا ہے۔ ہر مقام کی الگ الگ خصوصیات ہیں اور ہر جگہ کی جدا جدا
ضروریات ہیں۔ اور سلامتی ہو ان پر جو ہدایت کی پیروی کریں اور حضرت
محمد مصطفیٰ علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات کی پیروی کو لازم جانیں۔

۲۵- منہا

۵ علوم امکانی اور معارف وجوبی [illegible] جب تک اور جتنے عرصہ تک علم و دانش
ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے [illegible] گرفتار اور ما سوا کے نقوش سے

منقش رہتا ہے، ذلیل اور بے اعتبار (ناقابلِ لحاظ) رہتا ہے۔ ما سوا کو
بھول جانا اس راہ کی لازمی شرط ہے۔ اور ما سوا کا فنا ہو جانا ہی اگلی
منزل کی طرف قدم بڑھانا ہے۔ جب تک باطن کا آئینہ امکان کے
زنگ اور میل سے بالکل ہی صاف نہ ہو جائے اس میں حضرتِ وجوب
کا ظہور محال اور ناممکن ہے۔ کیونکہ علومِ امکانی کا معارفِ وجوبی
کے ساتھ ایک جگہ جمع ہو جانا ایسا ہی ہے جیسا کہ اضداد کا ایک
جگہ پر جمع ہو جانا۔ (اور اجتماعِ اضداد محال ہے)۔

سوال: یہاں ایک قوی سوال پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ ہے
کہ جب کارکنانِ قضا و قدر کسی عارف کو مقامِ حق کے ساتھ مشرف
فرماتے اور ناقص لوگوں کی تکمیل کے لئے اسے (عالمِ امکان کی طرف)
واپس بھیجتے ہیں تو جو (امکانی) علوم زائل ہو چکے تھے وہ پھر واپس آ جاتے
ہیں اور اس صورت میں علومِ امکانی اور معارفِ وجوبی ایک جگہ جمع
ہو جاتے ہیں حالانکہ یہ اجتماعِ ضدین (دو ضدوں کا اکٹھا ہو جانا) ہے۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ باقی باللہ (خدا کے ساتھ باقی
رہنے والا) عارف اس وقت (جبکہ وہ ہدایت و ارشاد کے لئے عالمِ امکان
کی طرف واپس آتا ہے) برزخیت کا حکم حاصل کر چکا ہوتا ہے۔ گویا کہ وہ
وجوب اور امکان کے درمیان ایک برزخ کا درجہ رکھتا ہے اور دونوں
مقامات کے رنگوں میں رنگا ہوا ہوتا ہے۔ اس صورت میں اگر دونوں
مقامات کے علوم و معارف اس میں جمع ہو جائیں تو اس میں کیا اشکال ہے؟

کیونکہ اجتماعِ ضدین کا محل ایک نہیں رہا بلکہ یہ متعدد محل بن گئے ہیں
لہٰذا اجتماعِ ضدین نہیں ہوا۔

۲۶۔ منہا

علم الاشیاء کی واپسی | چیزوں کا علم جو مرتبۂ فنا میں زائل ہو گیا تھا۔
نقص کا باعث نہیں | مرتبۂ بقا میں گر واپس آجاتا ہے تو اس سے عارف
کے کمال میں کوئی نقص لازم نہیں آتا بلکہ اس رجوع ہی میں اس کا
کمال ہے۔ اور بلکہ اس کی تکمیل اسی رجوع کے ساتھ وابستہ ہے۔ کیونکہ
عارف مقامِ بقا میں واصل ہو جانے کے بعد حق تعالیٰ کے اخلاق کے
ساتھ متخلق یعنی آراستہ و پیراستہ ہو جاتا ہے۔ اور چیزوں کا علم ذاتِ واجب تعالیٰ
میں عینِ کمال ہے اور اس کا عکس موجبِ نقصان ہے۔

(عارف) جب رب کا ترجمہ ملاحظہ ہوا سی ہی عالم میں عارف کا ہے تو
حضورِ ضروری میں لگا ہوا ہوتا ہے۔ اور اس میں حکمت یہ ہے کہ ممکن
میں علم حاصل ہونے کی صورت یہ ہوتی ہے کہ عالم کے ذہن میں معلوم
کی صورت کا حصول ہوتا ہے۔ لہٰذا لازمی طور پر عالم کی ذات اپنے
اندر معلوم کی صورت کے حصول سے اثر پذیر ہوتی ہے۔ اور جسقدر
علم زیادہ ہوتا جاتا ہے، عالم کی اثر پذیری بھی بڑھتی جاتی ہے۔
جس کے نتیجہ میں ممکن عالم کے اندر تغیر و تلوّن زیادہ وسیع اور
زیادہ پھیلا ہوا ہوتا ہے۔ اس لئے وہ نقص بن جاتا ہے اہلِ طالب
کیلئے ضروری ہے کہ ان تمام علوم کی نفی کرے اور سب اشیاء کو

۵۲

حصول ہو جائے۔ لیکن ذاتِ واجب تعالیٰ میں علم کی یہ کیفیت نہیں ہوتی۔
کیونکہ ذاتِ حق سبحانہٗ اس سے منزہ ہے کہ اس میں اشیاءِ معلومہ
کی صورتیں حلول کر سکیں۔ بلکہ حق تعالیٰ کے علم کا تعلق اشیاء کے
ساتھ تو محض ہونے ہی اشیاء حق تعالیٰ پر خود بخود منکشف
ہو جاتی ہیں۔ پس پاک ہے وہ ذات جو ہر طرح کے حلول پیدا
ہونے سے اپنی ذات، صفات و افعال میں کسی تغیر کو قبول نہیں
کرتی۔ اور جو عارف خدائی اخلاق میں رنگا جاتا ہے، اس کا علم بھی
اسی انداز کا ہو جاتا ہے۔ اس لئے اس میں بھی معلوم اشیاء کی
صورتیں حلول نہیں کرتیں۔ لہٰذا اس کے حق میں بھی کوئی تبدیلی
نہیں ہوتی۔ اور اس وجہ سے اس میں کوئی حیرت پیدا ہوتی ہے
اور نہ کوئی تلوّن۔ لہٰذا وہ کوئی نقص نہیں ہوتا بلکہ کمال ہی کا
ہے۔ یہ حکمت اور یہ دقیق اسرار ان میں سے ہے، حق سبحانہٗ
وتعالیٰ اپنے حبیب علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات اتمہا
واکملہا کی برکت سے اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں اس
کے ساتھ مخصوص فرماتے ہیں۔

٢٧۔ منہا

اطمینانِ نفس کے بعد مقامِ رضا کا حصول

اس فقیر کو رجوع الی الحق کے ابتدائی زمانے یعنی سلوک کی راہ میں قدم رکھنے کے وقت
سے بارھویں سال میں مقامِ رضا سے مشرف فرمایا گیا۔ اول نفس کو اطمینان

کی دولت بخشی گئی اور اس کے بعد بندہ محض فضلِ خداوندی سے اس سعادت (مقامِ رضا) سے بہرہ اندوز فرما گیا۔ یہ فقیر اس وقت تک اس دولت سے مشرف نہیں ہوا جب تک کہ بارگاہِ ایزدی جل سبحانہٗ کی رضا کا ایک پرتو (عکس) روشن ہو کر سامنے نہیں آیا۔ اس کے نفسِ مطمئنہ اپنے مولیٰ سے راضی ہو گیا۔ اور اس کا مولیٰ نفسِ مطمئنہ سے راضی ہو گیا۔ اس نعمت پر اللہ سبحانہٗ کی حمد و ثنا کرتا ہوں۔ ایسی حمد و ثنا جو بے پایاں اور پاکیزہ ہو اور اس کے اندر اور اس کے اوپر برکت ہی برکت ہو، ایسی حمد و ثنا کہ جس کو ہمارا پروردگار پسند فرمائے اور راضی ہو، اور درود و سلام ہو اس کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کی آل پر جیسا بھی ان کی ذات کے لائق ہو۔

۵۳ **سوال:** اگر لوگ سوال کریں کہ جب نفس (مطمئنہ) اپنے مولیٰ اور آقا سے راضی ہو گیا تو اس کے بعد دعا اور مصیبت و بلا کو دفع کرنے کی خواہش و طلب کے کیا معنی ہوں گے؟

جواب: اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ مولیٰ (یعنی حق تعالیٰ) کے فعل سے راضی ہونے سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ اس کی مخلوق سے بھی راضی ہو جائے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ مخلوق سے راضی ہونا جو کفر اور معاصی کے رنگ میں ہو معیوب اور قبیح ہوتا ہے۔ لہٰذا قبیح کی پیدائش سے تو رضا ضروری ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی خود اس قبیح مخلوق سے ناپسندیدگی اور کراہت ضروری ہے۔ جبکہ خود حق تعالیٰ بھی قبیح سے راضی نہیں ہوتا

تو بندہ اس سے کس طرح راضی ہو سکتا ہے۔ بلکہ بندہ تو اس صورت میں شدت اور سختی برداشت کر رہا ہے۔ لہٰذا مخلوق سے کراہت اور ناپسندیدگی اس کے فعل پیدائش سے رضا اور پسندیدگی کے منافی نہیں ہے۔ اس توجیہ کے بعد مصیبت و بلا کے دفعیہ کی طلب کے مستحسن معنی پیدا ہو جاتے ہیں، اور جن لوگوں نے فعل (خلق) سے رضا اور مفعول (مخلوق) سے کراہت میں فرق نہیں کیا، وہ حصول رضا کے بعد کراہت کے موجود ہونے میں اشکالات میں پڑ گئے ہیں، اور ان کو رفع کرنے کے لئے انھوں نے طرح طرح کے تکلفات کئے ہیں۔ چنانچہ وہ یہ کہنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ کراہت کا پایا جانا، رضا کے حال کے منافی ہے۔ رضا کے مقام کے منافی نہیں ہے۔ لیکن صحیح بات وہی ہے جو میں نے اللہ سبحانہ کے الہام سے تحقیق کے ساتھ بیان کر دی ہے اور سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔

۲۸ ـ منہا

قرأت خلف الامام: مجھے مدتوں اس کی تمنا رہی کہ مذہب حنفی میں کوئی معقول وجہ ایسی نکل آئے کہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ کی قرأت کی جائے جبکہ ہمارے ہاں قرأت کرنا فرض ہے تو قرأت حقیقی کو چھوڑ کر قرأت حکمی کو اس کی جگہ دینا معقول معلوم نہیں ہوتا تھا۔ اور ساتھ ہی حدیث نبوی میں بھی یہ بات آچکی ہے کہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا ہے کہ لَا صَلوٰۃَ اِلَّا بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ (فاتحہ الکتاب سورۂ فاتحہ کے بغیر کوئی نماز، نماز ہی نہیں) لیکن ہمارے مذہب (حنفی) میں جو

ترکِ قراءت کرتا تھا۔ اور اس ترک کو رخصت در مجاہدہ کی قسم سے شمار کرتا تھا، کیونکہ ایک مذہب کو چھوڑ کر دوسرے مذہب میں جانا بھی (ایک گونہ) الحاد ہی ہے۔ آخر کار حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے مذہب (حنفی) کی اس رعایت کی برکت سے مقتدی کے قراءت کو چھوڑ دینے کے بارے میں مذہبِ حنفی کی حقیقت کو واضح فرمادیا۔ اور پھر بصیرت کی نگاہ میں قراءتِ حکمی ہی قراءتِ حقیقی کے بجائے زیبا تر نظر آئی۔ کیونکہ امام اور مقتدی سب کے سب متفقہ طور پر مقامِ مناجات میں کھڑے ہوتے ہیں کہ اِنَّ الْمُصَلِّیْ یُنَاجِیْ رَبَّہٗ (کیونکہ نماز پڑھنے والا اپنے پروردگار سے مناجات ہی تو کرتا ہے) اور انھوں نے امام کو اس سلسلہ میں اپنا پیشوا اور ترجمان یا نمائندہ) بنایا ہے۔ لہٰذا امام جو کچھ پڑھتا ہے گو یا پوری قوم کی زبان سے پڑھتا ہے۔ بالکل اسی انداز سے جیساکہ لوگوں کی کوئی جماعت (وفد) کسی ضرورت کے سلسلہ میں کسی عظیم الشان بادشاہ کے سامنے پیش ہوتی ہے اور ایک آدمی کو اپنا پیشوا (نمائندہ) بنا لیتی ہے تاکہ وہ ان تمام لوگوں کی زبان سے (بادشاہ کے سامنے) عرضِ حاجت کرے۔ اس صورت میں اگر دوسرے لوگ اپنے پیشوا کے بولنے کے باوجود خود بھی بولنا شروع کردیں تو یہ بے ادبی اور گستاخی میں داخل ہوگا اور بادشاہ کی ناراضگی کا باعث بنے گا۔ لہٰذا اس جماعت کا تکلم حکمی جو ان کے پیشوا (نمائندہ) کی زبان سے ادا ہو رہا ہے، ان سب کے تکلمِ حقیقی سے بہتر ہے۔ بالکل یہی حال امام کی قراءت کے باوجود قوم کے قراءت کرنے کا ہے کہ یہ شور و شغب میں داخل

اور ادب سے دُور اور ترتر بتر ہونے کا باعث ہے جو اجتماع کے منافی ہے۔
حنفی اور شافعی فقہ کے اکثر اختلافی مسائل اسی قسم کے ہیں کہ ان کا ظاہر اور
ان کی صورت امام شافعیؒ کی جانب کو ترجیح دینے والی معلوم ہوتی ہے
لیکن ان کا باطن اور ان کی حقیقت مذہب حنفی ہی کی مؤید ہے۔
کارکنانِ قضا و قدر نے اس فقیر پر یہ بھی ظاہر فرمایا ہے کہ علمِ کلام کے
اختلافات میں بھی حق، حنفی ہی کی جانب ہے۔ مثلاً حنفی، تکوین کو صفاتِ
حقیقیہ میں سے شمار کرتے ہیں۔ حالانکہ بظاہر ایسا نظر آتا ہے کہ (یہ کوئی
حقیقی صفت نہیں ہے بلکہ) اس کا انجام قدرت اور ارادہ ہی کی صفات
ہیں۔ لیکن باریک بینی اور نورِ فراست سے معلوم ہو جاتا ہے کہ تکوین
(واقعی) ایک علیحدہ (اور مستقل) صفت ہے۔ علیٰ ہذا القیاس اور
فقہی اختلافات میں اکثر مسائل کے اندر حق فقہ حنفی کی طرف ہی متحقق
ہے۔ بہت کم مسائل ہیں جن میں کوئی تردد رہ سکتا ہے۔

ماتریدیہ کی تائید احوالِ سلوک کے درمیانی حالات میں ایک مرتبہ
حضرت پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات نے واقعہ میں اس
فقیر سے فرمایا تھا کہ "تو علم کلام کے مجتہدین میں سے ہے" اسی وقت کہ
مسائل کلامیہ کے ہر مسئلہ میں اس فقیر کی خاص رائے اور مخصوص علم ۵۵
ہوتا ہے۔ اکثر اختلافی مسائل میں جن میں ماتریدیہ اور اشاعرہ کے درمیان
جھگڑا ہے، جب وہ مسئلہ ابتدائی طور پر سامنے آتا ہے تو حقیقت اشاعرہ
کی طرف سمجھ میں آتی ہے لیکن جب نورِ فراست سے باریک بینی کے ساتھ

غور کیا جاتا ہے تو واضح ہو جاتا ہے کہ حق ماتریدیہ ہی کی طرف ہے۔ علم کلام
کے تمام اختلافی مسائل میں اس فقیر کی رائے علمائے ماتریدیہ کی رائے کے موافق ہے
اور سچی بات یہ ہے کہ سنتِ سنیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی
پیروی کی وجہ سے ان بزرگوں کی بڑی ہی شانِ عظیم ہے جو ان کے مخالفین
کو میسر نہیں ہے کیونکہ انھوں نے فلسفیانہ نکتہ آفرینیوں کی بڑی آمیزش
کر ڈالی ہے۔ اگرچہ دونوں فریق اہل حق میں سے ہیں۔

امام اعظم کی عظمت ان بزرگوں کے بزرگ ترین امام، امام اجل، پیشوائے
اکمل ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بلندیٔ شان کے متعلق میں کیا لکھوں
کہ وہ تو تمام مجتہدین میں خواہ امام شافعیؒ ہوں یا امام مالکؒ ہوں یا امام احمد
ابن حنبلؒ ہوں سب سے زیادہ عالم، زیادہ تقویٰ اور ورع میں سب سے
بڑھے ہوئے تھے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اَلْفُقَهَاءُ كُلُّهُمْ
عِيَالُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ (سارے فقہا ابو حنیفہ کے پروردہ ہیں) منقول ہے
کہ جب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ امام اعظمؒ کی قبر کی زیارت کے لئے
جاتے تھے تو اپنے اجتہاد کو چھوڑ دیتے تھے اور اپنی رائے پر عمل نہیں کرتے تھے

---

[1] آپ کا اصل نام نعمان بن ثابتؒ ہے اور کنیت ابو حنیفہؒ ہے امام اعظمؒ اور امام ابو ... لقب ہے،
سنہ ۸۰ھ میں کوفہ میں ولادت ہوئی۔ اور سنہ ۱۵۰ھ بعہد منصور عباسی بغداد میں انتقال فرمایا۔ آپ کے
اصل استاد حمادؒ تھے ان کے علاوہ اور بھی ائمہ اور تابعین سے آپ نے فیض حاصل کیا
آپ کے شاگردوں میں امام ابو یوسفؒ، امام محمد شیبانی اور امام زفرؒ سب سے زیادہ
مشہور ہیں۔ فقہ کے چار اماموں میں آپ پہلے امام ہیں۔ تمام دنیائے اسلام کے اہلسنت
وجماعت کا سواد اعظم آپ ہی کے مرتب کئے ہوئے مسائل فقہیہ پر کاربند ہے

اور فرمایا کرتے تھے کہ مجھے شرم آتی ہے کہ ان کے سامنے میں اپنی اس رائے پر
عمل کروں جو ان کی رائے کے خلاف ہو۔ وہ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنا
چھوڑ دیتے تھے اور فجر کی نماز میں قنوت بھی نہیں پڑھتے تھے۔ یقیناً
امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی عظمتِ شان کو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ہی
سمجھ سکتے ہیں۔ کل کو (آئندہ زمانے میں) جب حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ
الصلوٰۃ والسلام نزول فرمائیں گے تو وہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب
پر ہی عمل فرمائیں گے۔ جیسا کہ خواجہ محمد پارسا قدس سرہ (اپنی کتاب)
"فصولِ ستہ" میں فرماتے ہیں۔ ان (امام ابو حنیفہ) کے لئے یہی بزرگی
بہت کافی ہے کہ ایک اولو العزم پیغمبر ان کے مذہب پر عمل کریگا۔ دوسری
سیکڑوں بزرگیاں اس ایک بزرگی کے برابر نہیں ہو سکتیں۔ ہمارے
حضرت خواجہ (خواجہ باقی باللہ) قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ تھوڑے لہ ۵
عرصہ تک میں بھی امام کے پیچھے (نماز میں) سورہ فاتحہ پڑھتا رہا ہوں۔ آخر کار
میں نے ایک رات امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا کہ وہ ایک
روشن اور شاندار قصیدہ خود اپنی مدح میں پڑھ رہے ہیں۔ اور اس قصیدے
سے یہ مضمون مستفاد ہوتا تھا کہ بے شمار اولیاء اللہ میرے مذہب میں
ہو چکے ہیں۔ اسی وقت سے میں نے امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنا چھوڑ دیا۔

لہ ۵ [illegible]

۲۹- منبہ

حصولِ اجازت کمال پر موقوف نہیں

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی کامل بزرگ کسی ناقص مرید کو طریقت کی تعلیم کی اجازت دے دیتا ہے اور اس ناقص کو سمجھ دیتے ہیں کہ اس کی وجہ سے اس میں اس ناقص کا کام بھی تکمیل کو پہنچ جاتا ہے۔ حضرت خواجہ نقشبند (قدس سرہ) نے مولانا یعقوب چرخی علیہ رحمہ کو درجۂ کمال تک پہنچنے سے پیشتر ہی طریقت کی تعلیم کی اجازت مرحمت فرمائی تھی اور فرمایا تھا کہ "اے یعقوب! جو کچھ تجھے مجھ سے پہنچا ہے اسے لوگوں تک پہنچا۔" حالانکہ مولانا موصوف کا کام اس کے بعد خواجہ علاؤالدین عطار قدس سرہ کی خدمت میں سرانجام تک پہنچا۔ اسی لئے حضرت مولانا عبدالرحمن جامی نفحات الانس میں مولانا کو قول خواجہ علاؤالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کے مریدوں میں شمار کرتے ہیں بجائے خواجہ نقشبند قدس سرہ کی طرف ان کی نسبت فرماتے ہیں اور جب کوئی کامل بزرگ کسی مرید کو جو درجاتِ ولایت میں سے ایک درجہ کی استعداد رکھتا ہے، اس درجہ کے حاصل ہو جانے کے بعد خلافت کی تعلیم دینے کی اجازت دے دیتا ہے تو یہ اجازت بھی اسی قسم کی ہے۔ اور وہ مرید ایک طرح سے کامل ہے اور ایک طرح سے ناقص ہے۔ اور اس مرید کا حال بھی اسی طرح ہے جو درجاتِ ولایت میں سے دو درجوں یا تین درجوں کی استعداد رکھتا ہے، وہ بھی ایک لحاظ سے کامل ہے اور ایک لحاظ سے ناقص ہے۔ کیونکہ

نہایت النہایت یعنی آخری نقطۂ کمال تک پہنچنے سے پہلے تمام درجے
ایک جہت سے کمال کہے جا سکتے ہیں اور دوسری جہت سے نقص بھی
کہلا سکتے ہیں۔ اس کے باوجود شیخ کامل اپنے اس مرید کو اس کی استعداد
کے مرتبے کے حصول کے بعد طریقت کی تعلیم کی اجازت دے دیتا ہے۔ لہٰذا
اجازت کمال مطلق یعنی کمال پر موقوف نہ ہوئی۔
شبہ کا ازالہ یہ بتانا ہے کہ نقص اگرچہ اجازت کے منافی ہے لیکن جب
کوئی شیخ کامل و مکمل مرید کو کامل کرنے والی حیثیت کی نقص کو اپنے
نائب بنا دیتا ہے اور اس کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ بتلاتا ہے تو اس
نقص کا اثر متعدی نہیں ہوا کرتا۔ اور ان امور کی تفصیل اللہ تعالیٰ
ہی سب سے زیادہ جاننے والے ہیں۔

۳۰۔ منہا

یادداشت کے معنی ہیں یادداشت سے مراد حضرت ذات حق تعالیٰ و
تقدس کا دوام حضور ہے۔ اور یہ بات کبھی کبھی ان لوگوں کو بھی جو مقام
قلب پر فائز ہوتے ہیں جمعیت قلب کی وجہ سے خیال میں آ جاتی ہے
کیونکہ جو کچھ انسان کی مجموعی حیثیت میں پایا جاتا ہے وہ سب کچھ تنہا
قلب میں بھی پایا جاتا ہے۔ اگرچہ دونوں کے درمیان اجمال اور تفصیل
کا فرق ہوتا ہے جب مرتبۂ قلب میں بھی ذات حق تعالیٰ و تقدس کا
حضور بطور دوام ہی کے میسر ہوتا ہے۔ لیکن یہ بات حقیقی یادداشت
کی صورت ہے یادداشت کی حقیقت نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ

خواجہ نے جو مندراج النہایت فی البدایت (آغاز میں انجام کی جلوہ فرمائی) فرمایا ہے اس میں یادداشت کی اسی صورت کی طرف اشارہ فرمایا ہو۔ یادداشت کی حقیقت تو تزکیۂ نفس اور تصفیۂ قلب کے بعد ہی حاصل ہوتی ہے۔ لیکن اگر حضرت ذاتِ حق سے مراد، مرتبۂ وجوب لیا جائے جس میں کہ ذات، تمام صفاتِ وجوبیہ کی جامع ہوتی ہے تو تمام امکانی مراتب کو طے کر لینے کے بعد محض اس مرتبہ کے شہود تک رسائی حاصل کر لینے کے ساتھ ہی یادداشت کا حصول ہو جائے گا، اور تجلیاتِ صفاتی میں بھی یہ معنی متحقق ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ اس صورت میں صفات کا پیشِ نظر رہنا ذاتِ حق تعالیٰ کے حضور کے منافی نہیں ہے۔ اور اگر حضرت ذاتِ حق تعالیٰ سے مراد، مجرد احدیت کا مرتبہ لیا جائے جو تمام اسماء، صفات، نسبتوں اور تمام اعتبارات سے خالی ہے تو پھر یادداشت کا حصول، تمام مراتب اسمائی، صفاتی، نسبتی اور اعتباری کو طے کر لینے کے بعد ہی متصور ہوتا ہے۔ اور اس فقیر نے جہاں کہیں بھی بیان کیا ہے "یادداشت" کے لفظ کو آخری معنوں ہی میں استعمال کیا ہے۔ اگرچہ اس مرتبہ پر "حضور" (کے لفظ) کا اطلاق بھی مناسب نہیں ہے جیسا کہ اربابِ یادداشت پر مخفی نہیں ہے۔ کیونکہ وہ مقام، حضور اور غیبت دونوں سے بلند ہے۔ "حضور" کا متحقق ہونے کے لئے صفات میں سے کسی ایک صفت کا بیچ میں ضروری ہے۔ جو کچھ لفظِ حضور کے مناسب ہے وہ یادداشت کی وہی تفسیر ہے جو معنی دوم میں کی گئی ہے (یعنی

ذاتِ حق سے مراد مرتبۂ وجوب لینا) اور اس مفروضہ کی بنا پر یادداشت کو
انتہا کہنا شہود و حضوری کے اعتبار سے ہے۔ کیونکہ اس مرتبہ سے اوپر تو
شہود و حضور کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے۔ اس کے بعد یا حیرت ہے
یا جہل ہے یا معرفت ہے۔ (لیکن) وہ معرفت نہیں جسے تم معرفت
سمجھ رہے ہو کیونکہ تمہاری وہ معرفت تو افعالی اور صفاتی معرفت ہے
اور یہ مقام اسماء و صفات کی معرفت سے کئی ہی منزلیں اوپر ہے۔ اور
درود و سلام ہو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کی آل اطہر پر۔

۳۱۔ منہاج

دس مقامات کو طے کیے بغیر اس راہ کی تکمیل اور نہایت النہایت (معرفت
نہایت النہایت تک رسائی ممکن نہیں) کے آخری نقطہ) تک وصول دس مشہور
مقامات کو طے کر لینے پر منحصر ہے۔ ان میں سے پہلا مقام "توبہ" ہے
اور آخری مقام "رضا" ہے۔ مراتبِ کمال میں کوئی مقام بھی مقامِ رضا سے
بڑھ کر نہیں ہے حتی کہ رویتِ آخرت بھی (اس سے بڑھ کر نہیں ہے)۔
مقامِ رضا کی حقیقت جیسی کہ جیسے آخرت میں بھی جاری رہے گی۔ دوسرے
مقامات کا حصول آخرت میں نہیں ہوگا۔ وہاں "توبہ" کوئی معنی نہیں رکھتی
"زہد" کی وہاں گنجائش نہیں۔ "توکل" کی وہاں کوئی ضرورت نہیں رہتی۔
"صبر" کا وہاں کوئی احتمال نہیں۔ ہاں "شکر" اگرچہ وہاں پایا جاتا ہے
لیکن وہ شکر بھی رضا ہی کی ایک شاخ ہے، رضا سے الگ کوئی چیز نہیں
ہے

سوال۔ اگر لوگ دریافت کریں کہ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ یک خود کامل اور دوسروں کو کامل بنانے والی ہستی میں دنیا کی طرف رغبت پائی جاتی ہے۔ اور ان کی بہت سی ایسی باتیں مشاہدہ میں آتی ہیں جو توکل کے منافی ہیں۔ بے صبری بھی جو صبر کے منافی ہے ان میں نظر آتی ہے۔ اور ناپسندیدگی بھی جو رضا کی ضد ہے ان میں پائی جاتی ہے۔ تو اس کی وجہ کیا ہو سکتی ہے؟۔

۵۹ جواب: اس کے جواب میں میں کہتا ہوں کہ ان تمام مقامات کا حصول قلب اور روح کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور خاص الخاص لوگوں کے متعلق ان مقامات کا حصول نفس مطمئنہ میں بھی پایا جاتا ہے۔ لیکن جہاں تک ذات اور جسم کا تعلق ہے وہ اس حقیقت سے خالی اور محروم ہی رہتا ہے۔ صرف اتنا ہوتا ہے کہ تیزی اور شدت ٹوٹ جاتی ہے۔

کسی شخص نے سلی آپ سے دریافت کیا کہ آپ محبت کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن آپ کی [illegible] تو محبت کے منافی ہے۔ سیلی نے اس کے جواب میں شعر کہا

أمست [illegible] ... ولو [illegible] في اثنين

[illegible]

سے ترجمہ: میرے قلب نے مجھے [illegible] جسم کو [illegible] ۔ اگر [illegible] معلوم ہو جائے تو وہ اس [illegible] ہے۔

ترجمہ

دل اسیرِ عشق ہے لیکن بدن ہے بے خبر ورنہ خود اپنے ہوتے ہو کے واسطے ہوتا حذر

لہذا اگر کسی کامل کے قالب (یعنی جسم) میں ان مقامات کے منافی چیزیں ظہور کریں تو اس بزرگ کے باطن کی طرف نسبت کرتے ہوئے ان مقامات کے حصول میں یہ چیزیں کوئی نقصان نہیں پہنچاتیں۔ اور غیر کامل (ناقص) آدمی میں ان مقامات کے نقائص اس کی کلیت (مجموعی حیثیت) میں یعنی باطن اور ظاہر دونوں میں ظہور کرتے ہیں اور ایسا آدمی ظاہر و باطن میں دنیا کا راغب بن جاتا ہے۔ اور توکل کے خلاف چیزیں اس کی صورت اور حقیقت دونوں میں پائی جاتی ہیں اور اس کے قلب اور قالب (جسم) دونوں میں بے صبری اور اضطراب ظاہر ہونے لگتا ہے۔ اور اس کے روح اور بدن دونوں میں کراہت (ناپسندیدگی) ظاہر ہونے لگتی ہے۔ یہ چیزیں ہیں جنھیں حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے ولی کے لئے حجابات بنا دیا ہے اور کمزوروں کو ان بزرگوں کے کمالات سے محروم رکھا ہے۔ اور ان چیزوں کو اولیاء کے اندر باقی رکھنے میں ایک دقیق حکمت ہے۔ اور وہ حکمت حق کا باطل سے ممتاز ہونا ہے جو کہ اس دنیا کے لئے جو ابتلاء اور آزمائش کا مقام ہے لازمی ہے۔ اور اولیاء کے اندر ان چیزوں کو باقی رکھنے میں دوسری حکمت ان کی ترقی ہے اگرچہ یہ چیزیں ان میں محض صورت کی حیثیت سے پائی جاتی ہیں۔ اگر یہ چیزیں اولیاء سے بالکل ہی مرفوع ہو جائیں (یعنی ان میں نہ پائی جائیں) تو ان کی ترقی کا راستہ بند ہو جائے۔ اور وہ بھی ملائکہ کی طرح ایک ہی

مقام میں قید ہو کر رہ جائیں۔ سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے اور
حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کو لازم جانے اور آپؐ کی
آل پر کامل ترین اور مکمل ترین درودیں اور سلام ہوں۔

۳۲ ۔ منہا

اولیاء اللہ کے ظاہر و باطن کا فرق بار الہا! یہ کیا چیز ہے جو تو نے اپنے اولیاء
کے سلسلے میں کر دی ہے کہ ان کا باطن تو خضرؑ کا آبِ زلال (مقطر اور
صاف پانی) ہے کہ جس نے اس سے ایک قطرہ بھی چکھ لیا اس نے
حیاتِ ابدی (دائمی زندگی) پالی۔ اور ان کا ظاہر زہر قاتل ہے جس نے
ان کے ظاہر کی طرف دیکھا وہ ابدی موت میں گرفتار ہو گیا۔ یہ وہ بزرگ ہیں
کہ اُن کا باطن رحمت ہے اور ان کا ظاہر زحمت ہے۔ ان کے باطن کو دیکھنے
والا انہی میں شمار ہوتا ہے اور ان کے ظاہر کو دیکھنے والا بدنصیب ہوتا ہے۔
بظاہر جَو دکھلانے والے ہیں لیکن حقیقت میں گیہوں بخشنے والے ہیں۔ بظاہر
تو عام انسانوں میں سے ہیں لیکن باطن میں خاص فرشتوں میں سے ہیں۔
ظاہری طور پر تو زمین پر ہیں لیکن حقیقت میں آسمانوں پر سیر کرنے
والے ہیں۔ ان کے پاس بیٹھنے والے بدبختی سے نجات پاتے ہیں اور
ان سے محبت رکھنے والے سعادت سے بہرہ ور ہیں۔ ﴿اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ
اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ (یہ اللہ کی جماعت کے لوگ ہیں۔ یاد رکھو،
اللہ کی جماعت کے لوگ ہی فلاح پانے والے ہیں) اور اللہ کی رحمتیں اور سلامتیاں
نازل ہوں ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپؐ کی آل پر۔

منہا - ۳۳

اولیاء اللہ کی پوشیدگی کا سبب

حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ نے اولیاء اللہ کو کچھ اس انداز سے پردے میں چھپا ہوا ہے کہ ان کے غیر تو کجا، خود ان کے باطن کے کمالات کی خبر نہیں ہوتی۔ ان کے سوا دوسرے لوگوں کو کیسے خبر ہو سکتی ہے۔ ان کے باطن کو جو نسبت کہ مرتبہ بے چونی (بے علمی) اور مرتبہ بے چگونی (بے کیفی) سے حاصل ہو گئی ہے وہ بھی بے چون ہے۔ اور ان کا باطن چونکہ عالم امر سے ہے اس لئے اسے بھی اس بے چونی سے حصہ ملا ہے۔ اور ظاہر جو کہ سراسر چون ہے (یعنی گرفتار اسباب و علل ہے) وہ اس کی حقیقت کو کیا جان سکتا ہے بلکہ کچھ بعید نہیں کہ وہ انتہائی جہالت و عدم مناسبت کی وجہ سے اس نسبت کے حاصل ہونے سے انکار کر دے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ نسبت کے حاصل ہونے کا اعتراف کر لے لیکن یہ نہ سمجھ سکے کہ اس نسبت کا تعلق کس کی ذات سے ہے۔ بلکہ کبھی ایسا بھی ہوگا کہ وہ معشوقِ حقیقی (جس کے ساتھ حقیقت میں تعلق ہے) کی نفی ہی کر دے گا۔ یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ یہ نسبت بہت بلند ہے اور (اس کے مقابلے میں) ظاہر نہایت ہی پست چیز ہے اور باطن خود بھی اس نسبت سے مغلوب ہے اور وہ دید و دانش (دیکھنے ۲۱ اور سمجھنے) ہی سے چھٹکارا پا چکا ہے۔ وہ کیا جانے کہ وہ کیا رکھتا ہے اور کس کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ لہٰذا یہاں سوائے اس کے کہ معرفت سے عجز کا اعتراف کیا جائے معرفت کی طرف راہ ہی نہیں ملتی اسی وجہ سے

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے "العجز عن درك الادراك ادراك" یعنی ادراک کو حاصل کرنے سے عاجزی ہی ادراک ہے۔ یہاں خود ادراک سے مراد وہ خصوصی نسبت ہے جس کے ادراک سے عجز ضروری ہے۔ کیونکہ صاحبِ ادراک مغلوب ہوتا ہے وہ اپنے ادراک کو نہیں جان سکتا۔ اور دوسرے لوگ بھی اس کے حال کو نہیں جانتے جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے۔

۳۴ ـ منہا

بدعت اعتقادی کا نقصان ایک شخص صوفیوں کے لباس میں ہوتے ہوئے بدعتِ اعتقادی رکھنے میں مبتلا تھا یہ فقیر اس کے بارے میں متردد تھا اتفاقاً ایک روز میں نے دیکھا ہوں کہ انبیاء صلوات اللہ تعالیٰ وتسلیماتہ علیہم اجمعین جمع ہیں اور سب اس شخص کے حق میں متفق ہو کر فرما رہے ہیں کہ لیس منا (یعنی وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے)۔ اسی وقت میرے دل میں خیال آیا کہ ایک دوسرے شخص کے متعلق بھی جس کے حق میں یہ فقیر متردد تھا دریافت کر لوں۔ اس شخص کے بارے میں حضرات انبیاء (علیہم الصلوٰۃ والسلام) نے فرمایا کہ کان منا (وہ شخص ہم میں سے تھا) ہم بداعتقادی سے اللہ سبحانہٗ کی پناہ مانگتے ہیں اور اس کے بزرگ انبیاء کے طعن سے بھی پناہ مانگتے ہیں۔

۳۵ ـ منہا

متشابہات کی تاویل اس فقیر پر (کارکنانِ قضا وقدر نے) ظاہر فرمایا کہ

الفاظ "قرب" اور "معیت" اور "احاطۂ حق" سبحانہ وتعالیٰ جو قرآن مجید میں واقع ہوئے ہیں منجملہ متشابہات قرآنی کے ہیں جیسا کہ لفظ "ید" اور "وجہ" وغیرہ اور یہی حال لفظ "اول" و "آخر" و "ظاہر" و "باطن" اور ان جیسے دوسرے الفاظ کا ہے۔ لہٰذا ہم حق سبحانہ وتعالیٰ کو قریب کہتے ہیں، لیکن ہم نہیں جانتے کہ قرب کیا چیز ہے۔ اسی طرح ہم اسے "اول" کہتے ہیں، لیکن ہم نہیں جانتے کہ اول سے کیا مراد ہے۔ اور "قرب" اور "اولیت" کے جو معنی ہمارے علم و فہم کے احاطہ میں آتے ہیں حق سبحانہ وتعالیٰ اس سے منزہ (پاک) اور برتر ہے اور جو کچھ ہمارے کشف اور مشاہدہ میں سما سکتا ہے حق تعالیٰ اس سے بہت بلند و بالا اور پاک ہے، اور حق تعالیٰ کے قرب اور معیت کی جس کیفیت کو بعض خود ساختہ صوفیوں نے کشف کے طور پر دریافت کیا ہے اور وہ اسی کشفی معنی کے لحاظ سے حق سبحانہٗ کو قریب اور ساتھ (مع) سمجھتے ہیں وہ مستحسن نہیں ہے۔ انھوں نے فرقۂ مجسّمہ (وہ فرقہ جو خدا کے لئے جسم ثابت کرتا ہے) کے مذہب میں قدم رکھ دیا ہے۔ اور جو کچھ بعض علما نے اس کی تاویل میں فرمایا ہے اور قرب سے مراد علمی قرب لیا ہے تو وہ اسی طرح پر ہے جیسا کہ انھوں نے "ید" کی تاویل قدرت سے کی ہے اور "وجہ" کی تاویل ذات سے کی ہے، یہاں لوگوں کے نزدیک جائز ہے جو تاویل کرنے کو جائز سمجھتے ہیں۔ اور ہم تو تاویل کرنے کو جائز قرار نہیں دیتے اور اس کی تاویل کو حق سبحانہ وتعالیٰ کے علم کے حوالہ کر دیتے ہیں۔ بس اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔ اور سلامتی ہو اُس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔

م۲۳

٣٦ ـ منہا

اتباع رسول ﷺ یہ فقیر کبھی تو نمازِ وتر شروع رات میں ادا کرتا تھا اور کبھی
آخری رات میں ادا کرتا تھا۔ کارکنانِ قضا و قدر نے ایک رات مجھے
دکھایا کہ نمازِ وتر کو دیر سے ادا کرنے کی صورت میں، جب نمازی سو جاتا ہے
اور اس کی نیت یہ ہوتی ہے کہ آخری رات میں وتر کی نماز ادا کرے گا تو
اس کے نیک اعمال کو لکھنے والے فرشتے وتر کی نماز ادا کرنے کے وقت تک
تمام رات نیکیاں اس کے نام پر لکھتے رہتے ہیں۔ پس جس قدر بھی وتر کی
نماز کو تاخیر سے ادا کرے گا بہتر ہوگا۔ لیکن اس کے باوجود اس فقیر کو تو وتر
کی تعجیل اور تاخیر میں بجز سید البشر علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات
کی پیروی کے اور کوئی چیز منظور نہیں ہے۔ اور یہ فقیر کسی فضیلت کو
بھی پیروی کے برابر نہیں سمجھتا۔ حضرت رسالت پناہ (صلی اللہ علیہ وسلم)
وتر کی نماز کبھی اول شب میں ادا فرمایا کرتے تھے اور کبھی آخر شب
میں۔ یہ فقیر اپنی سعادت اسی میں سمجھتا ہے کہ کسی بات میں آنحضرت
علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کا تشبہ حاصل ہو جائے۔ اگرچہ یہ تشبہ
صرف صورت کے طور پر ہی ہو۔ لوگ بعض سنتوں کے سلسلہ میں شب
بیداری کی نیت اور اس جیسی باتوں کو دخل دیتے ہیں۔ ان لوگوں کی
کوتاہ اندیشی سے تعجب ہوتا ہے۔ ہم تو ہزار شب بیداریوں کو بھی پیرویٔ
رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نصف دانۂ جو کے عوض نہ خریدیں۔

۹۱ ہم ماہِ رمضان کے عشرۂ اخیرہ کے اعتکاف کے لیے بیٹھے۔ دوستوں کو

جمع کر کے ہم نے کہا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے سوا
کوئی دوسری نسبت نہ کریں۔ کیونکہ ہمارا تبتّل اور انقطاع زمانے الگ
تھلگ ہونا کیا ہو سکتا ہے۔ ہمیں (حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی) ایک
پیروی حاصل ہو جائے تو ہم سو گرفتاریاں قبول کرنے کو تیار ہیں۔ لیکن
حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے واسطے کے بغیر ہمیں ہزار تبتّل اور انقطاع قبول نہیں ہیں۔

آنرا کہ در سرائے نگار یست فارغ ست ۔۔۔ از باغ و بوستاں و تماشائے لالہ زار

ترجمہ: موجود جس کے گھر میں ہو محبوب گلعذار ۔۔۔ حاجت نہیں ہے کچھ اُسے باغ و بہار کی

اللہ سبحانہ ہمیں آپ کی کامل متابعت عطا فرمائے۔ آپ پر اور آپ کی آل پر
مکمل ترین اور کامل ترین درودیں اور سلام ہوں۔

۳۷ ـ منہا

محبتِ ذاتی و محبتِ صفاتی کا فرق: ایک مرتبہ کی بات ہے کہ میں دردمندوں
کی ایک جماعت کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ اس فقیر نے اپنی اس محبت کے
متعلق جو آں سرور علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات کے غلاموں کے
ساتھ نسبت رکھتا ہے کچھ اس طرح کہہ دیا کہ آں سرور صلی اللہ علیہ وسلم
کی محبت اس درجہ غالب ہو گئی ہے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ کو بھی میں اس
واسطے سے دوست رکھتا ہوں کہ وہ ربِّ محمدؐ (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم
کا پروردگار) ہے۔ حاضرین میری اس بات سے حیرت میں رہ گئے۔ لیکن
انھیں مخالفت کی مجال نہیں تھی۔ میری یہ بات حضرت رابعہ رہ کی
بات کے بالکل برعکس ہے۔ انھوں نے کہا ہے کہ میں نے آں سرورؐ

صلی اللہ علیہ وسلم سے خواب میں کہا تھا کہ حق سبحانہ وتعالیٰ کی محبت نے اس طرح غلبہ پا لیا ہے کہ آپؐ کی محبت کے لئے جگہ ہی نہیں رہی۔ یہ دونوں باتیں اگرچہ سُکر کی خبر دیتی ہیں۔ لیکن میری بات اصلیت رکھتی ہے۔ انھوں نے وہ بات عین سُکر میں کہی تھی اور میں نے (سُکر سے نکلنے کے بعد) ابتدائے صحو (ہوش آنے کے شروع) میں کہی ہے۔ ان کی بات مرتبۂ صفات میں ہے اور میری بات مرتبۂ ذات سے لوٹ آنے کے بعد ہے۔ کیونکہ مرتبۂ ذات تعالیٰ میں اس قسم کی محبت کی گنجائش نہیں ہے۔ تمام نسبتیں اس مرتبہ سے نیچے ہی رہ جاتی ہیں۔ وہاں تو سراسر حیرت ہے یا جہالت ہے بلکہ اس مرتبہ میں آدمی ذوق کے ساتھ محبت کی نفی کرتا ہے۔ کسی طرح بھی اپنے کو خدا کی محبت کے لائق نہیں سمجھتا۔ محبت اور معرفت صرف مرتبۂ صفات میں ہوتی ہے (مرتبۂ ذات میں نہیں ہوتی) پس جسے لوگوں نے محبتِ ذاتی کہا ہے اس سے مراد صرف ذاتِ احدیت نہیں ہے بلکہ اس سے مراد وہ ذات ہے جس کے ساتھ ذات کے کچھ اعتبارات بھی شامل ہوں۔ لہٰذا حضرت رابعہؒ کی وہ محبت مرتبۂ صفات میں ہے۔ اور اللہ سبحانہ ہی صحیح بات دل میں ڈالنے والے ہیں اور درود و سلام ہو سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آلِ اطہر پر۔

۳۸- منہا

علم ظاہر پر علم باطن کی برتری اور آداب پیر و استاد۔	علم کی فضیلت، معلوم کے شرف اور رتبہ کے اندازہ کے مطابق ہوتی ہے۔ معلوم

جسقدر اشرف ہوگا اس کا علم بھی اسی قدر بلند تر ہوگا۔ لہٰذا علمِ باطن جس
کے ساتھ حضراتِ صوفیہ امتیاز رکھتے ہیں علمِ ظاہر سے افضل ہوگا، جو
علمائے ظواہر کا حصہ ہے۔ بالکل اسی طرح جیسا کہ علمِ ظاہر کو علمِ حجامت اور
حیاکت، بال بنانے اور کپڑا بننے کے علم، پر فضیلت ہوتی ہے۔ لہٰذا پیر کے
آداب کی رعایت کہ جس سے علمِ باطن کو حاصل کرتے ہیں، اس استاد کے آداب
کی رعایت سے کئی گنا زیادہ ہوتی جس سے کہ علمِ ظاہر کا استفادہ کرتے ہیں۔
اور اسی طرح علمِ ظاہر کے استاد کے آداب کی رعایت، اس استاد کے
آداب کی رعایت سے کئی گنا زیادہ ہے جس سے بال بنانا اور کپڑا بننا
سیکھتے ہیں۔ اور یہی تفاوت علمِ ظاہری کی تمام اصناف میں جاری ہے
چنانچہ علمِ کلام اور فقہ کا استاد علمِ نحو و صرف کے استاد سے زیادہ اولیٰ اور
زیادہ مقدم ہے۔ اور نحو و صرف کا استاد، علومِ فلسفہ کے استاد سے زیادہ
اولیٰ ہے۔ اس لئے کہ علوم فلسفہ، علومِ معتبرہ میں داخل نہیں ہیں۔ اس
کے اکثر مسائل بے سود اور لاحاصل ہیں اور بہت کم مسائل ہیں جنھیں انھوں
نے کتبِ اسلامیہ سے اخذ کیا ہے اور ان میں تصرفات کر ڈالے ہیں، وہ
بھی جہلِ مرکب سے خالی نہیں ہیں۔ کیونکہ اس مقام میں عقل کے لئے
کوئی گنجائش ہی نہیں ہے۔ نبوت کا انداز عقلِ نظری کے انداز سے بالکل
الگ چیز ہے۔

جاننا چاہئے کہ پیر کے حقوق تمام حقوق والوں کے حقوق سے اوپر
ہوتے ہیں بلکہ پیر کے حقوق کو دوسروں کے حقوق سے کوئی نسبت ہی نہیں ہو

۶۵ حضرت حق سبحانہٗ کے انعامات اور اس کے رسول علیہ و علیٰ آلہ الصلوات
والتسلیمات کے، احسانات کے بعد میرے حقوق کا ذریعہ ہے بلکہ سب کے
پیر حقیقی تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم ہی ہیں۔ اگرچہ ظاہری پیدائش
والدین سے ہوتی ہے، مگر معنوی پیدائش پیر ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔
ولادتِ صوری کی حیات تو چند روزہ ہے مگر ولادتِ معنوی کے لئے
حیاتِ ابدی ہے۔ پیر ہی تو ہے جو اپنے قلب و روح سے معنوی گندگیوں
کی صفائی کرتا ہے اور اس کے اندرونی حصوں کو پاک و صاف کرتا ہے
اُن توجہات میں جو کہ بعض مریدوں کی نسبت واقع ہوتی ہیں محسوس ہوتا
ہے کہ ان لوگوں کی باطنی آلائشوں کی تطہیر (پاک کرنے) میں ایک گونہ
تلوث (آلودگی) خود صاحب توجہ تک سرایت کرتا ہے اور اُسے
ایک عرصے تک مکدر (گدلا) رکھتا ہے۔ پیر ہی ہے جس کے وسیلے سے
لوگ خدائے عزوجل تک پہنچتے ہیں جو تمام دنیوی اور اخروی سعادتوں سے
بلند تر چیز ہے۔ پیر ہی ہے جس کے وسیلے سے نفس امارہ جو اپنی ذات کے
اعتبار سے خبیث واقع ہوا ہے تزکیہ حاصل کر لیتا اور پاک و صاف
ہو جاتا ہے۔ اور امارگی سے اطمینان کے مقام تک پہنچتا ہے۔ اور جبلی
(طبعی) کفر سے اسلام حقیقی تک رسائی پاتا ہے ؎

گر بگویم شرح ایں بے حد شود

(ترجمہ) جو اس کی شرح کروں بے حساب ہو جائے

لہٰذا اگر پیر کسی مرید کو قبول کر لے تو اُسے اپنی سعادت سمجھنی چاہیے

اور اگر وہ کسی مرید کو بد ارادت تو سے اپنی بدبختی شمار کرنی چاہیئے۔" ہم اس چیز سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں " حق سبحانہ کی رضا کو پیر کی رضا کے پس پردہ رکھا گیا ہے۔ جب تک مرید اپنے آپ کو پیر کی رضامندیوں میں گم نہ کر دے حق سبحانہ کی رضامندیوں تک نہیں پہنچ سکتا۔ مرید کی سب سے بڑی آفت پیر کو آزار دینے میں ہے۔ ہر لغزش جو اس کے بعد ہو اس کا تدارک کر لینا ممکن ہے، لیکن آزارِ پیر کا تدارک کسی چیز سے بھی نہیں ہو سکتا۔ آزارِ پیر مرید کے لئے شقاوت اور بدبختی کی بنیاد ہے۔" اس سے حق سبحانہ و تعالیٰ کی پناہ؛ اعتقاداتِ اسلامیہ میں بڑ خلل اور احکامِ شرعیہ کی بجا آوری میں بڑا فتور اسی کا نتیجہ اور ثمرہ ہوتا ہے۔ احوال اور وجدانیات، جن کا تعلق ۲۶ باطن سے ہوتا ہے، ان کا تو پوچھنا ہی کیا ہے۔ اگر باوجود پیر کی آزار رسانی کے احوال کا کوئی اثر باقی رہ جائے تو اسے استدراج (اور مباحات) میں سے شمار کرنا چاہیئے۔ کہ آخر میں وہ لامحالہ خرابی ہی لائے گا اور سوائے نقصان کے اور کوئی نتیجہ نہیں دیگا۔ اور سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔

۳۹ ـ منہا

لطائفِ ستہ کے مراتب | قلب کا تعلق عالمِ امر سے ہے، اسے عالمِ خلق سے وابستگی اور شیفتگی عطا کر کے عالمِ خلق کی طرف نیچے اتارا گیا۔ اور اس مضغۂ گوشت کے ساتھ جو بائیں پہلو میں ہوتا ہے خصوصی تعلق عطا کر دیا گیا ہے یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی بادشاہ کو ایک بھنگن کے ساتھ عشق پیدا ہو جائے اور وہ اس عشق کی وجہ سے بھنگن کے گھر میں نزول فرمائے۔ اور روح جو

قلب سے لطیف تر ہے اصحاب یمین (دائیں جانب والوں) میں سے ہے۔ اور
تین لطیفے جو لطیفۂ روح سے اوپر ہیں وہ خَيْرُ الْأُمُورِ أَوْسَطُهَا (معاملات
میں بہترین، درمیانی معاملہ ہوتا ہے) کے شرف سے بہرہ اندوز ہیں۔ لطیفہ
جسقدر لطیف تر ہوا تنا ہی وہ وسط کے زیادہ مناسب ہے۔ لیکن اتنا ہے کہ
لطیفۂ سِر اور لطیفۂ خفی، دونوں لطیفۂ اخفیٰ کی ہر دو جانب واقع ہیں۔ ان
میں سے ایک دائیں طرف واقع ہے اور دوسرا بائیں طرف۔ اور لطیفۂ نفس،
جو اس کے قریب واقع ہے اور دماغ سے تعلق رکھتا ہے اور لطیفۂ قلب کی
ترقی اس پر منحصر ہے کہ وہ روح کے مقام میں اور روح سے اوپر کے مقام میں
رسائی حاصل کرے۔ اسی طرح روح اور اس سے اوپر والے لطیفوں کی
ترقی بھی اس پر منحصر ہے کہ وہ اوپر کے مقامات میں رسائی حاصل کریں۔ لیکن
یہ رسائی شروع میں احوال کے طریقہ پر حاصل ہوتی ہے اور آخر میں مقام
کے طور پر۔ اور نفس کی ترقی اس وقت ہوتی ہے جب وہ شروع میں بطور
احوال اور آخر میں بطور مقام کے قلب کے مقام میں پہنچ جائے۔ اور آخر کار
یہ چھ کے چھ لطیفے مقام اخفیٰ میں پہنچ جاتے ہیں اور سب کے سب ایک
ساتھ مل کر عالم قدس کی طرف پرواز کرنے کا ارادہ کرتے ہیں اور لطیفۂ قالب
کو خالی چھوڑ دیتے ہیں۔ لیکن یہ پرواز بھی ابتدا میں بطور احوال کے ہوتی ہے
اور آخر میں بطور مقام کے۔ اور اس وقت مقام فنا حاصل ہو جاتا ہے۔

مدّ۴۲ موت سے پہلے موت کا مطلب | اور جسے صوفیہ نے موت پیش از موت
(مرنے سے پہلے ہی مر جانا) کہا ہے اس سے مراد لطیفۂ قالب کا انہی چھ لطیفوں

کی جدائی ہے۔ اور ان لطائف کی جدائی کے بعد بھی قالب میں حس و حرکت کے باقی رہنے کا راز دوسرے مقامات پر بیان کر دیا گیا ہے۔ اسے وہیں ان مقامات میں تلاش کرنا چاہیے۔ یہ ورق تفصیل کی گنجائش نہیں رکھتا یہاں تو اشاروں کنایوں ہی میں باتیں ہو سکتی ہیں۔ اور یہ ضروری نہیں ہے کہ تمام لطیفے ایک مقام میں جمع ہو جائیں اور وہاں سے پرواز کریں۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ قلب اور روح دونوں مل کر یہ کام کرتے ہیں اور کبھی تینوں لطیفے اور کبھی چاروں لطیفے۔ لیکن جو کچھ پہلے مذکور ہوا ہے (یعنی ان چھ لطیفوں کا مل کر پرواز کرنا) وہ زیادہ مکمل اور اتم صورت ہے۔ اور یہ ولایت محمدی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور اس کے علاوہ جو صورت ہے وہ بھی ولایت کی اقسام میں سے ایک قسم ہے۔ اور یہ چھ کے چھ لطیفے جسم (قالب) سے جدائی اختیار کر لینے، اور مقام قدس تک رسائی حاصل کر لینے، وہاں کے رنگ میں رنگے جانے کے بعد، اگر پھر قالب کی طرف لوٹ آئیں اور وہ سب سوائے محبت کے تعلق کے اور تعلق پیدا کر لیں تو وہ قالب کا حکم اختیار کر لیتے ہیں۔ اور اس اختلاط کے بعد ایک قسم کی فنا پیدا کرتے ہیں۔ اور مردہ کا حکم اختیار کر لیتے ہیں۔ اس وقت وہ ایک خاص تجلی سے منور ہو جاتے ہیں۔ اور از سر نو حیات کو پیدا کرتے، اور بقا باللہ کے مقام میں راسخ القدم ہو جاتے اور خدائی اخلاق کے ساتھ آراستہ و پیراستہ ہو جاتے ہیں۔ اس وقت اگر انھیں وہ خلعت بخش کر دنیا کی طرف واپس کر دیں تو معاملہ دُنُوّ (قربت) سے تدلّی

(یعنی دور در دور ہو جانے) کے ساتھ انجام پائے گا (یعنی نزدیکی سے دوری میں جا پڑے گے) اور تکمیل کا مقدمہ پیدا ہو جائے گا۔ اور اگر وہاں کی طرف واپس نہ کریں اور دُنُوّ (قربت) کے بعد تدلّی (پست و دور ہونا) حاصل نہ ہو سکے تو وہ اولیائے عزلت ہو جائے گا اور طالبین کی تربیت اور ناقصوں کی تکمیل اُن کے ہاتھ سے نہیں ہو سکے گی۔ یہ سب گفتگو اشارہ اور کنایہ کے انداز میں بدایت (آغاز) اور نہایت (انجام) کی، لیکن ان منزلوں کو قطع کیے بغیر اس کو سمجھ لینا ناممکن ہے۔ اور سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے اور حضرت محمد مصطفیٰ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی پیروی کو لازم جانے۔

۳۰ ـ منہا

کلامِ الٰہی | حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ ازل سے ابد تک ایک ہی کلام کے ساتھ متکلم ہے۔ یہ کلام ایسا ہے کہ اس کے ٹکڑے اور اجزا نہیں کیے جا سکتے کیونکہ خاموشی اور گونگاپن اللہ تعالیٰ کے حق میں محال ہے۔

کیا عجب ہے کہ ازل سے ابد تک وہاں ایک ہی آن (ساعت) رہتی ہو، کیونکہ اللہ سبحانہ کی ذات پر زمانہ جاری نہیں ہوتا۔ ظاہر ہے کہ ایک آنِ واحد میں ایک بسیط (غیر مرکب) کلام کے سوا اور کیا واقع ہو سکتا ہے اور اس کلامِ واحد سے، تعلقات کے متعدد ہونے کے اعتبار سے، کلام کی اس قدر قسمیں پیدا ہو گئی ہیں۔ مثلاً اگر اس کا تعلق مامور (جسے حکم دیا جائے) کے ساتھ قائم ہو تو اس سے "امر" (حکم) پیدا ہو جاتا ہے۔ اور اگر منہی (جس سے ممانعت

فرمانی جائے) کے ساتھ ہو تو اس کا نام "نہی" (ممانعت) ہوتا ہے۔ اگر خبر
دینے سے تعلق ہو تو خبر پیدا ہو جاتی ہے۔ اس ضمن میں زیادہ سے زیادہ
یہ کہا جا سکتا ہے کہ گذشتہ و آئندہ زمانے کے متعلق خبر دینا بہت سے
لوگوں کو اشکال میں ڈال دیتا ہے اور انھیں دلالت کرنے والی چیز کا تقدم و
تأخر مدلول (جس چیز پر دلالت کی جائے یعنی مراد) کے تقدم و تأخر کی طرف
لیجاتا ہے لیکن یہ کوئی اشکال نہیں ہے، کیونکہ زمانہ گذشتہ (ماضی) اور
زمانہ آئندہ (مستقبل) دلالت کرنے والی چیزوں کی مخصوص صفات ہیں
جو اس آن (گھڑی) کے انبساط (منبسط ہونے) کے لحاظ سے پیدا ہوگئی ہیں
لیکن مدلول (جس چیز پر دلالت کی جائے یعنی مراد) کے مرتبہ میں چونکہ وہ آن
(گھڑی) جو اپنی حالت پر ہے وہ کسی قسم کا انبساط اس میں پیدا نہیں ہوا ہے
لہٰذا اس مرتبہ میں گذشتہ اور آئندہ زمانوں کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ علمائے
معقول (منطق و فلسفہ) نے کہا ہے کہ ایک ہی حقیقت (ماہیت) کے لئے
وجودِ خارجی کے اعتبار سے لوازمات علیحدہ ہوتے ہیں اور وجودِ ذہنی کے
اعتبار سے صفات جدا ہوتی ہیں، جبکہ ایک ہی چیز میں وجود اور ہُویت
(مرتبہ و حد) کے مختلف ہونے کے اعتبار سے صفات اور لوازم کا متبائن
اور متغائر ہونا (جدا جدا اور مختلف ہونا) جائز ہو سکتا ہے تو دال (دلالت
کرنے والی چیز) اور مدلول (جس پر دلالت کی جائے) میں جو درحقیقت
ایک دوسرے سے الگ ہیں (یہ تباین و تغائر) بطریق اولیٰ جائز ہونا
چاہئے۔ اور یہ جو کہا گیا ہے کہ ازل سے ابد تک ایک ہی آن (گھڑی) ہے

تو یہ تعبیر کی تنگدامانی کی وجہ سے ہے۔ ورنہ وہاں تو درحقیقت اس کی بھی گنجائش نہیں ہے یہاں تو زمانہ کی طرح وہ (یعنی آنِ واحد کہنا) بھی گراں ہے۔

دائرۂ امکان سے باہر | جاننا چاہیے کہ ممکن جب قرب الٰہی جل سلطانہ
ازل اور ابد متحد ہیں۔ | کے مقامات میں دائرۂ امکان سے باہر قدم

مث ۲۹ رکھتا ہے تو وہ ازل ور ابد کو متحد پاتا ہے۔ حضرت رسالت خاتمیت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام والتحیہ نے شب معراج میں، مقامات عروج کے اندر حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے شکم میں پایا تھا اور طوفانِ نوح بھی موجود تھا۔ علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ اور اہلِ بہشت کو بہشت میں دیکھا تھا۔ اور دوزخیوں کو دوزخ میں۔ اور بہشت میں داخل ہونے کے وقت سے پانچ سو سال کے بعد، جو (خدا کے ہاں کے حساب سے) آدھا دن ہوتا ہے' حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ جو دولت مند صحابہ میں سے تھے علیہم الرضوان بہشت میں آئے تھے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے دیر میں آنے کی وجہ دریافت فرمائی تھی اور انھوں نے اپنا دشوار گذار راستوں اور آزمائشوں کا حال سنایا تھا۔ یہ سب کچھ ایک آن، گھڑی ہی کے اندر میں مشہود ہوا تھا۔ اس میں گذشتہ اور آئندہ زمانے کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ اس فقیر کو بھی اللہ کے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صدقے سے بعض اوقات یہ حالت پیش آئی ہے۔ اور میں نے ملائکہ کو عین سجود کی حالت میں پایا ہے جو وہ حضرت آدم علیہ السلام کو کر رہے تھے۔ کہ ابتک انھوں نے سجدہ سے سر بھی نہیں اٹھایا تھا۔ اور ملائکہ علیین کو جنھیں سجدہ کا حکم

نہیں دیا گیا تھا اُن سجدہ کرنے والے فرشتوں سے الگ دیکھا کہ وہ اپنے مشہود (جس کا وہ مشاہدہ کر رہے تھے) میں فنا اور غرق ہیں۔ اور دیگر تمام حالات جن کا آخرت میں وعدہ فرمایا گیا ہے، وہ سب اسی آن (گھڑی) میں دکھائی دیئے۔ چونکہ اس واقعہ پر ایک مدت گذر گئی ہے۔ اس لئے میں نے احوالِ آخرت کی تفصیل بیان نہیں کی۔ کیونکہ مجھے اپنے حافظہ پر اعتماد نہیں رہا ہے۔

معراجِ نبوی اور عروجِ اولیاء میں فرق ہے لیکن اتنی بات سمجھ لینی چاہیئے کہ یہ حالات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اور روح دونوں کو پیش آئے تھے اور جو مشاہدات ہوئے تھے وہ بصارت اور بصیرت دونوں سے ہوئے تھے۔ لیکن دوسرے لوگوں کو، جو (بہرحال) طفیلی ہیں، اگر یہ حالت بطور تبعیت کے پیش آتی ہے تو وہ صرف روح تک ہی محدود رہتی ہے اور بصیرت کے ساتھ مخصوص ہوا کرتی ہے۔ (جسم اور ظاہری آنکھوں کے ساتھ نہیں) ؎

در قافلہ کہ اوست دانم نرسم   این بسکہ رسد زدور بانگ جرسم

(ترجمہ) وہ جس قافلے میں جاتا ہوں میں نہیں پہونچا   یہی کافی ہے آوازِ جرس دور تک آتی ہے

علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات اتمہا واکملہا۔

۴۱ ۔ منہا

تکوین حقیقی صفات میں سے ہے تکوین، واجب الوجود تعالیٰ وتقدس کی حقیقی صفات میں سے ایک مستقل صفت ہے۔ اشاعرہ (امام ابوالحسن اشعری کے پیرو)

تکوین کی صفت اضافیہ میں سے شمار کرتے ہیں اور وہ قدرت وارادہ ہی کو ایجادِ عالم (دنیا کو وجود بخشنے) میں کافی سمجھتے ہیں۔ لیکن صحیح یہی ہے کہ قدرت اور ارادہ کے سوا تکوین ایک علیحدہ حقیقی صفت ہے۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ قدرت کے معنی یہ ہیں کہ اس میں فعل و ترک یعنی کسی کام کا کرنا اور اسے چھوڑ دینا دونوں باتیں صحیح ہوں۔ اور "ارادہ" کے معنی یہ ہیں کہ قدرت کی ان دونوں جہتوں یعنی فعل اور ترک میں سے کسی ایک جہت کو مخصوص و متعین کر لیا جائے۔ لہٰذا اس طرح قدرت کا درجہ ارادہ کے درجہ پر مقدم ہوتا ہے۔ اور "تکوین" جسے ہم صفاتِ حقیقیہ میں سے گنتے ہیں، اس کا درجہ قدرت اور ارادہ کے درجوں کے بعد آتا ہے۔ اس صفت کا کام اس خاص کردہ جہت کو وجود میں لے آنا ہے۔ پس قدرت، فعل (کرنے) کی جہت کو درست قرار دینے والی صفت (یعنی مصحح فعل) ہے اور ارادہ، فعل (کرنے) کی جہت کو خاص کرنے والی صفت (مخصص فعل) ہے۔ اور تکوین، اُسے وجود میں لانے والی ہے۔ لہٰذا تکوین کی صفت کو مانے بغیر چارہ نہیں ہے۔ اس کی وہی صورت ہے جو استطاعت مع الفعل کی ہوتی ہے جسے علماء اہلِ سنت نے بندوں میں ثابت کیا ہے۔ اور کوئی شک نہیں کہ یہ استطاعت ثبوتِ قدرت کے بعد ہی ہو سکتی ہے۔ بلکہ ارادہ کے تعلق کے بھی بعد ہوتی ہے۔ اور وجود بخشی کا تحقق (ثبوت) اسی استطاعت کے ساتھ وابستہ ہے بلکہ وہ استطاعت ہی فعل کی جہت کو ضروری قرار دیتی ہے اور اس کے بالمقابل ترک

کی جہت وہاں مفقود ہے۔ تکوین کی صفت کا حال بھی کچھ ایسا ہی ہے کہ وجود بخشی اس کے ساتھ بطور ایجاب یعنی واجب اور ضروری قرار دیے کے ہوتی ہے۔ لیکن یہ ایجاب (ضروری قرار دینا) واجب تعالیٰ کی ذات میں کوئی ضرر نہیں دیتا کیونکہ اس کا ثبوت صفت قدرت اور صفت ارادہ کے متحقق ہو جانے کے بعد ہوتا ہے جبکہ قدرت کے معنی فعل (کرنے) اور ترک (چھوڑ دینے) کو صحت اور درستگی بخشنے کے ہیں۔ اور ارادہ کے معنی، قدرت کی کسی ایک جہت یعنی فعل یا ترک کی جہت کو خاص کر لینے کے ہیں۔ برخلاف اس کے جو کچھ کہ فلسفہ نے کہا ہے۔ اور انھوں نے شرطیہ اولیٰ (صحت فعل یعنی اگر چاہے تو پیدا کر سکتا ہے) کو واجب الصدق قبول کر لیا ہے اور شرطیہ ثانیہ (صحت ترک یعنی اگر نہ چاہے تو نہیں پیدا کر سکتا) کو ممتنع الصدق قرار دے دیا ہے اور صفت ارادہ کی نفی کر دی ہے۔ اس قول کے مطابق ایجاب صریح لازم آتا ہے تعالی اللہ سُبْحَانَہٗ عَنْ ذٰلِكَ عُلُوًّا كَبِيْرًا (اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی ذات اس سے کہیں بلند تر ہے)۔

وہ ایجاب جو ارادہ کے تعلق اور دو زیر قدرت جہتوں میں سے ایک جہت کی تخصیص کے بعد پیدا ہوتا ہے وہ اختیار کو مستلزم (لازم کرنے والا) ہے بلکہ اختیار کی تاکید کرنے والا ہے۔ اس کی نفی کرنے والا نہیں ہے۔ اور صاحب فتوحات کا کشف بھی حکماء کی رائے کے موافق ہی واقع ہوا ہے۔ وہ قدرت کے سلسلہ میں شرطیہ اولیٰ کو واجب الصدق سمجھتے

میں اوستائی کو ممتنع الصدق۔ یہ تو ایجاب (لازم قرار دینے) کو تسلیم کرلینا ہوا۔
اس کے نتیجہ میں ارادہ بالکل ہی بیکار ہو جاتا ہے۔ کیونکہ دو برابر کی جہتوں
میں سے ایک جہت کو خاص کر لینا یہاں پایا ہی نہیں جاتا۔ اور اگر صفت
تکوین میں اس مضمون (یعنی ایجاب) کا اثبات کریں تو اس کی گنجائش
نکل سکتی ہے کیونکہ وہ اس ایجاب کے شائبہ سے مبرا اور پاک ہے۔ بہت
ہی باریک بینی کا فرق ہے جس کو مجھ سے پہلے کسی نے بیان کرنے کی
کم ہی سبقت کی ہے۔ علمائے ماتریدیہ نے بھی اگرچہ اس صفت (یعنی
تکوین) کا اثبات فرمایا ہے لیکن وہ بھی اس باریکی نظر کی طرف نہیں گئے
ہیں۔ انھیں (ماتریدیہ کو) بلند درجہ سنتِ مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ و
السلام والتحیہ کی پیروی نے ہی　　　　. . تمام متکلمین میں اس
معرفت کے ساتھ ممتاز بنا رکھا ہے۔ اور یہ حقیر بھی انہی اکابر کے خوشہ چینوں
میں سے ہے۔ اللہ سبحانہٗ ہمیں ان کے درست اور حق عقائد پر سید المرسلین
علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات اتمہا واکملہا کے طفیل میں ثابت
قدم رکھے۔

۴۲ ۔ منہا

رؤیتِ باری تعالیٰ | آخرت میں مومنوں کے لئے خدائے عزوجل کا دیدار
ہونا، حق ہے۔ یہ وہ مسئلہ ہے کہ سوائے اہل السنت والجماعت کے اسلامی
فرقوں اور حکمائے فلاسفہ میں سے کوئی شخص بھی اس کے جواز کا قائل نہیں ہے
ان کے انکار کی وجہ، غائب کو حاضر پر قیاس کر لینا ہے، جو بہر حال فاسد

ہے ہی مگر اس کے ساتھ ہی ان کو کشف اور شہود بھی حاصل ہے۔
کشف اور فراست میں فرق کشف اور فراست کے درمیان ایسا ہی فرق ہے جیسا کہ حدسیات (اندازہ اور تخمینہ سے متعلق چیزوں) اور حسیات میں ہے۔ فراست نظریات (دلیل سے تعلق رکھنے والی چیزوں) کو حدسیات بنا دیتی ہے اور کشف انھیں حسیات بنا دیتا ہے۔ وہ تمام مسائل جن کے اہل سنت قائل ہیں اور ان کے مخالفین جنھوں نے اپنے اوپر عقلی طریقہ کو لازم کر رکھا ہے، ان مسائل کے منکر ہیں، وہ سب اسی قسم کے ہیں کہ وہ سب نور فراست سے معلوم ہوئے ہیں اور کشف صحیح سے مشاہدہ میں آگئے ہیں۔ مگر ان مسائل کو بیان کرنے میں کہیں کوئی وضاحت کی جائے تو اس سے مقصود محض ان کی صورت کی اد تسبیہ ہوتی ہے۔ طرز فکر اور دلیل کے ساتھ ان کو ثابت کرنا نہیں ہوتا، کیونکہ عقل کی فکر و نظر ان کے اثبات اور صورت کشی میں معطل ہو جاتی ہے۔
ان علماء پر بڑا ہی تعجب ہوتا ہے جو ان مسائل کے مسلے میں خود کو مقام استدلال میں لا کھڑا کرتے ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ دلائل سے ان کا ثبات کر دیں اور مخالفین پر حجت تمام کر دیں۔ مگر یہ بات میسر نہیں آتی اور تکمیل کو بھی نہیں پہنچتی۔ مخالفین یہ سمجھ لیتے ہیں کہ جس طرح ان کے استدلالات کھوٹے، کمزور اور ناقص ہیں اسی طرح ان کے مسائل بھی غلط، کمزور اور ناقص ہوں گے۔ مثلاً علمائے اہل سنت نے استطاعت مع الفعل (فعل کے ساتھ طاقت بھی رکھنا) کا اثبات کیا ہے۔ یہ مسئلہ

اُن حق اور صحیح مسائل میں سے ہے جو نورِ فراست اور کشفِ صحیح سے معلوم
ہوئے ہیں لیکن جو دلائل وہ اس کو ثابت کرنے کے لئے پیش کرتے ہیں وہ
بالکل ہی ناکارہ اور ناقص ہیں۔ اس مسئلہ کو ثابت کرنے کے لئے جو دلائل وہ
پیش کرتے ہیں ان میں سب سے قوی دلیل دو زمانوں میں اعراض کا باقی
رہنا ہے کیونکہ اگر عرض باقی رہ جاتا ہے تو اس سے لازم آتا ہے کہ عرض
خود عرض ہی کے ساتھ قیام پذیر ہو حالانکہ یہ بات ہونا ممکن نہیں ہے۔
اور چونکہ مخالفین نے اس دلیل کو ناقص اور ناکارہ سمجھا ہے۔ لہذا انھوں
نے یقین کر لیا کہ خود وہ مسئلہ بھی ایسا ہی ناقص ہے۔ انھوں نے یہ بات
نہیں سمجھی کہ اس مسئلہ میں اور اس جیسے دوسرے مسائل میں اصل کارفرما تو یہ
فراست ہے جو نورِ نبوت سے مقتبس کیا گیا ہے۔ لیکن خود
ہماری کوتاہی ہے کہ ہم حدسی (اندازہ و تخمینہ) سے متعلق چیزوں اور ایسی ہی
باتوں کو مخالفین کی نگاہ میں نظری بنا کر پیش کرتے ہیں اور تکلفات کے
ساتھ ان کو ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہوگا
کہ ہماری حدسی اور ایسی ہی چیزیں مخالفین پر حجت نہیں ہوں گی، تو
نہ ہوا کریں۔ ہم پر سوائے ان کو صحیح طور پر بتا دینے اور تبلیغ کر دینے کے اور
کوئی چیز فرض و لازم نہیں کی گئی۔ جو آدمی مسلمانوں جیسی حسنِ عقیدت
رکھتا ہے وہ بے اختیار اسے قبول کرے گا اور جو شخص بے نصیب
واقع ہوا ہے سوائے انکار کے اس میں اور کسی بات کا اضافہ
نہیں ہو سکے گا۔

۴۳ ـ منہا

یقین کے درجہ کا حصول: بمصداق آیۂ کریمہ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ (اور بہر حال اپنے پروردگار کی نعمت کو بیان کر، بیان کرو) اس نعمت عظمیٰ کا اظہار کرتا ہوں کہ اس فقیر کو علم کلام سے تعلق رکھنے والے اعتقادات کی نسبت جو اہل حق یعنی اہل سنت و جماعت کی رایوں کے موافق واقع ہوئے ہیں ایسا یقین حاصل ہو چکا ہے کہ اس کے مقابلہ میں وہ یقین بھی جو مجھے . . . . واضح ترین بدیہیات کی نسبت حاصل ہے، ظنیات بلکہ وہمیات کا حکم رکھتا ہے۔ مثلاً جب میں اس یقین کا جو مجھے علم کلام کے ہر ایک مسئلہ کی نسبت حاصل ہے اس یقین کے ساتھ موازنہ کرتا ہوں جو مجھے وجودِ آفتاب کی نسبت حاصل ہے تو پہلے یقین کی بہ نسبت اس دوسرے یقین کے لئے نقص کا متفاوت ہونا بھی مجھے محسوس ہوتا ہے۔ ارباب عقول اس بات کو قبول کریں یا نہ کریں اگر نفس ہے کہ وہ ہرگز قبول نہیں کریں گے۔ کیونکہ یہ معاملہ عقل کے اندازے سے بالکل الگ ہے۔ عقل تو یہ ہی کہتی ہے اس مقام سے سوائے انکار کرنے کے اور کوئی چارہ ہی نہیں ہے۔ اس معاملہ کی حقیقت یہ ہے کہ یقین کرنا قلب کا کام ہے، اور وہ یقین جو قلب کو مثلاً آفتاب کے وجود کے متعلق حاصل ہوتا ہے وہ حواس کے واسطے سے حاصل ہوتا ہے۔ اور یہ حواس جاسوسوں کا حکم رکھتے ہیں (جو ادھر ادھر سے معلومات حاصل کر کے قلب تک پہنچاتے ہیں) اور وہ یقین جو علم کلام کے کسی ایک مسئلہ کے متعلق قلب کو

حاصل ہوتا ہے وہ قصہ ارادت اور نفسی حواس کے واسطے
ہے جیسے اس نے طوطا ہمارے بارگاہ دو بست جبل وعزت جیسی
واسطے کے خود حاصل اور اخذ کیا ہے۔ یعنی اول کا مرتبہ علم الیقین
کا ہوتا ہے اور عدد ثانی کا مرتبہ عین الیقین کا ہوتا ہے اور ان دونوں کے
درمیان میں کتنا بڑا فرق ہے۔ ع

شنیدہ کے بود مانند دیدہ

ترجمہ: دیکھے ہوئے سے مثل ہو کیسے سنا

۵۷ ۴۴ — منہج

فنا زاہدا (در بیت تو اس شخص کے سبب سے بے محض فضل خدا کی
حق سلطنت سے تمام مرادوں وآرزوؤں سے خالی ہوتا ہے اور اُسے
حق تعالیٰ کے سوا کسی دوسری چیز کی طلب نہیں رہتی۔ اس وقت اُسے
وہ کچھ میسر آجاتا ہے جو اس کی پیدائش سے مقصود تھا اور وہ سعدی
کی حقیقت کو پہنچتا ہے۔ اس کے بعد اگر قدرت کا منشا ہوتا ہے تو
اسے ناقص لوگوں کی تربیت کے لئے اس عالم کی طرف واپس بھیجتے
ہیں اور حق تعالیٰ اسے اس سے اپنے ایک ارادہ عنایت کرنے اور
ایک اختیار عطا فرماتے ہیں کہ وہ قوی اور فعلی تصرفات میں مختار اور
مجاز (اجازت یافتہ) ہو جاتا ہے جیسے کہ ایک اذن یافتہ غلام (جسے
اس کے آقا نے تصرفات کرنے کا حق عطا فرمایا ہو) مختار اور اجازت یافتہ
ہوتا ہے۔ اس مقام میں چونکہ خدائی صفات کے ساتھ آراستہ و پیراستہ

ارادہ فرمائے حق سبحانہ کی مرضیات نہیں ہو سکتیں مثلاً کفر اور
معاصی (کہ ان کا ارادہ تو حق تعالیٰ فرماتے ہیں ورنہ تو ان کا وجود ہو سکتا
اور نہ ہی بندوں سے ان کا صدور ہو سکتا، لیکن یہ چیزیں خود حق تعالیٰ
کی مرضیات میں سے نہیں ہیں۔ وَلَا یَرْضٰی لِعِبَادِہِ الْکُفْرَ۔
(اور اللہ تعالیٰ نہیں پسند کرتا اپنے بندوں کے لیے کفر و انکار۔ سورۂ زمر) لہٰذا جبکہ خود اللہ تعالیٰ
کا ارادہ اس کی مرضیات کے خلاف ہو سکتا ہے تو صاحب ارادہ بندہ
کا ارادہ بھی مرضئ حق سبحانہ کے خلاف ہو سکتا ہے۔ مترجم)۔

۳۵ ۔ منہا

کلام اللہ کی رہنمائی اس کام (کار سلوک) میں ہمارا رہنما کلام اللہ ہی
اور میرا پیر (شیخ) اس معاملہ میں قرآن مجید ہے۔ اگر قرآن کریم کی رہنمائی
نہ ہوتی تو معبود برحق کی عبادت کی جانب کوئی راہ بھی نہ کھل سکتی۔ اس
راہ میں ہر لطیفہ اور لطیفہ کی ہر چیز ”انا اللہ“ (میں ہی خدا ہوں) کی صدا
لگاتی ہے اور راستے پر چلنے والے کو اپنی پرستش میں گرفتار کر لیتی ہے
اگر وہ چیز ”بے چون“ ہے تو اپنے آپ کو ”بے چون ہونے“ کی صورت میں ظاہر
کرتی ہے۔ اور اگر ”تشبیہ“ ہے تو اپنے آپ کو ”مشبہ“ کی ہیئت میں
جلوہ گر بناتی ہے۔ یہاں امکان، وجوب کے ساتھ ملا ہوا ہے اور حدوث
(حادث ہونا) قدم (قدیم ہونے) کے ساتھ خلط ملط ہے۔ اگر باطل ہے
تو وہ حق کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ اور اگر گمراہی ہے تو وہ ہدایت کی
شکل میں نمایاں ہے۔ بیچارہ سالک ایک اندھے مسافر کا نمونہ بن جاتا ہے

کہ ہر ایک کی طرف ھٰذَا رَبِّیْ (یہی میرا رب ہے) کہتا ہوا متوجہ ہوجاتا ہے۔
حق سبحانہ وتعالیٰ خود ہی فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
(آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا) کے الفاظ سے فرماتا ہے اور اپنی شان میں
رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ (مشرق اور مغرب کا پروردگار) فرماتا ہے۔
عروج کے وقت جب ان صفات کو ان خیالی معبودوں پر پیش کیا گیا
تو بے اختیار ان سب سے (ان اوصاف پر منطبق ہونے سے) انکار کردیا
اور وہ ختم ہوتے چلے گئے۔ (ذی) اس نعرے لَا اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ
(میں غروب ہوجانے اور غائب ہوجانے والوں کو پسند نہیں کرتا) لگاتے ہوئے
ان سب (خیالی معبودوں) سے منہ موڑا۔ اور ذات واجب الوجود کے سوا
کسی کو بھی اپنا قبلہ توجہ نہیں بنایا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا
وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا
بِالْحَقِّ۔ (اسی اللہ کے لئے تمام تعریفیں ہیں جس نے ہمیں اس کی ہدایت فرمائی
اور اگر خدا ہمیں ہدایت نہ فرماتا تو ہم ہدایت نہیں پاسکتے تھے بیشک ہمارے
پروردگار کے تمام رسول حق بات لیکر آئے ہیں۔)

۳۶۔ منہاج

حضرت خواجہ باقی باللہؒ سے عقیدت

ہم حضرات اپنے خواجہ (حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ) کی خدمت میں ایسے تھے کہ
لوگوں کی نگاہوں میں باقی تمام دوستوں میں ہمیں خاص امتیاز حاصل
تھا۔ حضرت خواجہ حسام اور میر صاحب کی نسبت ہم میں سے ہر ایک کا

اعتقاد عقیدہ تھا و معاملہ بھی یہ تھا۔ یہ فقیر توفیق کے ساتھ یہ سمجھا تھا کہ اس قسم کی صحبت اور یکجائی اور اس طرح کی تربیت، شہ اور ہدایت آں سرور علیہ و علیٰ آلہ الصلوات و التسلیمات کے زمانہ کے بعد سے کبھی بھی کسی کو حاصل نہیں ہوئی اور حق تعالیٰ کی اس نعمت کا شکر ادا کرتے تھے کہ اگرچہ خیر البشر علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے شرف صحبت سے مشرف نہیں ہو سکا، تاہم اس صحبت کی سعادت سے محروم نہیں رہا۔ اور ہمارے حضرت خواجہ ان دوسرے تین دوستوں کے متعلق یوں فرمایا کرتے تھے کہ "فلاں آدمی تو مجھے صاحب تکمیل سمجھتا ہے لیکن صاحب ارشاد نہیں سمجھتا۔ اور ان کے نزدیک ارشاد کا مرتبہ تکمیل سے زیادہ ہوتا ہے، اور فلاں آدمی ہم سے کوئی سروکار نہیں رکھتا" اور اس تیسرے کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ "وہ ہماری نسبت انکار رکھتا ہے"۔ چنانچہ ہم میں سے ہر ایک کو ان کے اعتقاد کے اندازہ کے مطابق ہی حصہ ملا۔

شیخ کی محبت میں غلو نہیں کرنا چاہیے۔ جاننا چاہیے کہ مرید کا اپنے پیر کے افضل اور اکمل ہونے کے متعلق اعتقاد، محبت کے ثمرات اور اس مناسبت کے نتائج میں سے ہوتا ہے جو افادہ و فائدہ پہنچانے، واستفادہ (فائدہ حاصل کرنے) کا سبب بنتی ہے۔ لیکن ضروری ہے کہ آدمی اپنے پیر کو ان حضرات پر فضیلت نہ دے جن کی بزرگی اور عظمت شریعت میں مقرر ہو چکی ہے، کیونکہ یہ چیز محبت میں افراط کا باعث

ہو جاتی ہے اور یہ بات مذموم ہے۔ فرقۂ شیعہ کی خرابی اہل بیت کے ساتھ
بھی افراطِ محبت کی وجہ سے ہے اور نصاریٰ نے بھی اسی افراطِ محبت
کی وجہ سے حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو خدا کا بیٹا
بنا دیا ہے اور اس کی وجہ سے ابدی خسارہ میں پڑتے ہیں۔ لیکن اگر ان
حضرات کے سوا، جن کی فضیلت شریعت سے ثابت ہے، دوسرے
لوگوں پر اپنے شیخ کو فضیلت دے تو یہ جائز ہے بلکہ طریقت میں واجب
ہے۔ اور یہ فضیلت دینا مرید کے اپنے اختیار سے نہیں ہوتا۔ بلکہ
اگر مرید صاحبِ استعداد ہے تو بے اختیار اس میں یہ اعتقاد پیدا ہو جاتا
ہے۔ اور وہ اس کے وسیلہ سے پیر کے کمالات کا اکتساب کرتا ہے۔ اگر
یہ افضلیت دینا خود مرید کے اپنے اختیار سے ہو اور وہ تکلف کے ساتھ
اس اعتقاد کو پیدا کرے تو یہ جائز نہیں ہے اور یہ کوئی نتیجہ پیدا کر سکتا ہے

۴۷ - منہا

در نفی و اثبات کلمۂ طیبہ لا الٰہ الا اللہ نفی کے ساتھ نفی و اثبات
میں سب سے بلند ترین درجہ یہ ہے کہ جو کچھ نظر و علم اور کشف و مشاہدہ
میں آئے اگرچہ وہ تنزیہ محض اور بے کیف محض ہی ہو، ان سب کو
لا (نفی) کے تحت میں داخل کیا جائے اور اثبات کی جانب
میں کلمۂ مستثنیٰ (اللہ) کو قلب کی موافقت کے ساتھ زبان سے
بولنے کے سوا اور کسی چیز کا اس میں حصہ نہ ہو

عنقا شکار کس نشود دام باز چین — کاینجا ہمیشہ باد بدست است دام را

ترجمہ

اٹھائے جل سلطانہ کی ہمنوائی کی [illegible] گناہ ہے یہاں تو جوں شانی ہاتھ جانے کی

وَ اللّٰہُ تَعَالیٰ غَنِیٌّ عَنِ ... مُحَمَّدِیْ وَّ آلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَسْتَشْفِعُ

عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہِ الصَّلَوٰتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ (اور صلوٰۃ ہو ان پر جو موجودات

کی سرداری کے درجہ پر ... مقصود ... اور کونین کی ...۔

اس پیروی کی برکت ... مقصود ... ہوں)

۴۸- منہا

حقیقت قرآنی، حقیقت کعبہ۔ حقیقت قرآنی اور حقیقت کعبہ ربانی کا درجہ اور حقیقت محمدی حقیقت محمدی علی مظہرہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ سے اوپر ہے۔ لہٰذا حقیقت قرآنی حقیقت محمدی کی امام اور پیشوا ہوئی۔ اور حقیقت کعبہ ربانی حقیقت محمدی کی مسجود ہوئی۔ اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ حقیقت کعبہ ربانی کا درجہ حقیقت قرآنی سے اوپر ہے۔ وہاں بالکل ہی بے صفتی اور بے رنگی کی کیفیت ہے۔ اور اس مقام میں شیونات اور اعتبارات کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ بلکہ اس بارگاہ میں تو تنزیہ اور تقدیس کی بھی کوئی مجال نہیں ہے۔

ع آنجا ہمہ آنست کہ برتر ز بیانست

ترجمہ وہاں ہر چیز ایسی ہے کہ باہر بیاں سے

یہ ایسی معرفت ہے کہ اہل اللہ میں سے کسی نے بھی اس کے متعلق لب کشائی نہیں فرمائی۔ اور اشارہ و کنایہ میں بھی اس کے متعلق کسی نے کوئی بات نہیں کہی۔ اس فقیر کو اس معرفت عظمیٰ کے ساتھ مشرف

وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نزول فرمائیں۔ اور نزول فرمانے کے بعد
شریعت محمدی علیہا الصلوات والتسلیمات کے مطابق عمل فرمائیں
اس وقت حقیقت عیسوی اپنے مقام سے عروج کر کے حقیقت محمدی کے
اس مقام میں جو خالی چلا آرہا تھا استقرار پائے گی (یعنی قیام پذیر
ہو جائے گی)

۴۹۔ منہا

کلمۂ طیبہ کی فضیلت اگر کلمہ طیبہ "لا الٰہ الا اللہ" نہ ہوتا تو بارگاہ
قدس خداوندی جل سلطانہ کی طرف راہ کون دکھاتا؟ اور توحید کے
چہرے سے نقاب کون اٹھاتا؟ اور جنتوں کے دروازے کون کھولتا؟
صفات بشریہ کے پہاڑ کے پہاڑ اس "لا" کے تیشہ کو کام میں لا کر ہی
کھودے جاتے ہیں۔ اور تعلقات کی بے شمار ظلمتیں اسی نفی کے تکرار
کی برکت سے منتفی ہوتی ہیں اور اسی کلمہ طیبہ کا جزو نفی یعنی "لا" باطل
معبودوں کی نفی کرتا ہے اور اس کا جزو اثبات معبود برحق جل شانہ کو
ثابت کرتا ہے اور سالک اسی کلمہ کی مدد سے امکانی حجاب کو قطع
کرتا ہے اور عارف اسی کلمہ کی برکت سے وجوبی معراجوں کی طرف
ترقی کرتا ہے یہی کلمہ تو ہے جو حجابات افعال سے آدمی کو حجابات صفات
تک لیجاتا اور تجلیات صفات سے حجاب ذات تک پہنچاتا ہے۔

تا بجاروب "لا" نروبی راہ نرسی در سرائے "الا اللہ"

ترجمہ: "لا" کی جھاڑو سے راہ کو صاف نہ کرو گے تو اس طرح پہنچنا کا تو نا ممکن "الا اللہ" تک

وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ اَتَمُّهَا وَاَكْمَلُهَا۔

(اور سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کو لازم جانے۔ آپ پر اور آپ کی آل پر مکمل ترین اور کامل ترین درودیں اور سلام ہوں۔)

٥٠۔ منہا

معوذتین سے متعلق کشف: حضرت مخدوم شیخ شرف الدین یحییٰ منیری نے اپنے مکتوبات میں لکھا ہے کہ معوذتین (قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس) کو فرض نماز میں نہیں پڑھنا چاہئے۔ کیونکہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان دونوں سورتوں کے قرآن ہونے میں جمہور کے مخالف ہیں۔ لہذا نماز میں جتنی قراءت فرض ہے، اس میں ان دونوں سورتوں کی قراءت کو محبوب نہیں رکھنا چاہئے۔ یہ فقیر بھی ان دونوں سورتوں کو نہیں پڑھا کرتا تھا، حتیٰ کہ ایک دن کارکنانِ قضا و قدر نے اس فقیر پر ظاہر کیا کہ گویا معوذتین حاضر ہیں اور حضرت مخدوم سے فرضِ قراءت میں ان کی قراءت سے منع کر دینے کے بارے میں شکایت کر رہی ہیں کہ ہمیں قرآن سے کیوں نکال دیا ہے۔ اسی وقت سے میں اس ممانعت سے باز آیا اور فرض قراءت میں بھی ان کی قراءت شروع کر دی۔ ہر مرتبہ جب میں ان دونوں سورۂ کریمہ کو فرض قراءت میں پڑھتا ہوں تو عجیب احوال کا مشاہدہ کرتا ہوں۔

۵۱ ۔ منہا

تقلید و اتباع کی فضیلت صوفیہ کے طریق سے بلکہ ملّتِ اسلام سے بڑا حصہ اسی شخص کیلئے ہے جس میں تقلید کی فطرت اور پیروی کی عادت سب سے زیادہ ہے۔ یہاں تو کام کا دارومدار صرف تقلید پر اور اس مقام میں معاملے کا انحصار محض پیروی پر ہے۔ انبیا علیہم الصلوات والتسلیمات کی تقلید بلند ترین درجوں تک پہنچا دیتی ہے۔ اور اصفیا کی پیروی بڑی بڑی معراجوں تک لیجاتی ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں چونکہ یہ فطرت سب سے زیادہ پائی جاتی تھی تو بے توقف تصدیقِ نبوت کی سعادت میں انھوں نے سبقت فرمائی اور صدیقوں کے رئیس بنے۔ اور ابوجہل لعین چونکہ تقلید اور پیروی کی استعداد سب سے کمتر رکھتا تھا، لہٰذا اس سعادت سے بہرہ اندوز نہ ہو سکا اور ملعونوں کا پیشوا بنا۔

مرید جس کمال کو بھی حاصل کرتا ہے وہ اپنے پیر کی تقلید ہی سے حاصل کرتا ہے۔ پیر کی غلطی بھی مرید کے صواب (درست) سے بہتر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سہو و نسیان کی آرزو کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یٰلَیْتَنِیْ کُنْتُ سَھْوَ مُحَمَّدٍ (یعنی اے کاش میں محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سہو بن جاتا) اور حضرت پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں فرمایا کہ سِیْنُ بِلَالٍ عِنْدَ اللّٰہِ شِیْنٌ (بلال کا سین خدائے تعالیٰ

کے نزدیک شین ہے) چونکہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ عجمی (حبشی) تھے،
اس لئے وہ اذان میں بجائے اَشْہَدُ کے اَسْہَدُ کہا کرتے تھے اور خدائے عزّ و
جلّ و علا کے نزدیک اُن کا اَسْہَدُ کہنا اَشْہَدُ ہی تھا لہٰذا حضرت بلال رضی اللہ عنہ
کی یہ غلطی دوسروں کے صواب سے بہتر ہوگی۔ ع

بر اَشْہَدِ تو خندہ زند اَسْہَدِ بلالؓ

ترجمہ: اشہد پہ تیرے ہنستا ہے اسہد بلال کا

میں نے ایک عزیز سے سنا ہے کہ وہ کہا کرتے تھے کہ بعض دعائیں
جو مشائخ سے منقول ہیں اور اتفاقاً ان مشائخ نے ان میں سے بعض
دعاؤں میں کوئی غلطی کر دی ہے اور اسے محرَّف کر کے (بگاڑ کر) پڑھ دیا
ہے تو اگر اُن کے پیروکار اِن دعاؤں کو اسی تحریف کے ساتھ پڑھتے
ہیں جس کے ساتھ اُن کے مشائخ نے پڑھ دیا تھا، تو وہ دعائیں تاثیر
بخشتی ہیں اور اگر انہیں درست کر کے پڑھتے ہیں تو وہ تاثیر سے خالی
رہ جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے انبیاء کی تقلید اور اپنے اولیاء کی
پیروی پر اپنے حبیب علیہ و علیٰ جمیع الانبیاء والمرسلین و علیٰ متابعیہم
الصلوات والتسلیمات کی عظمت و حرمت کے طفیل ثابت قدم رکھے۔

۵۲۔ منہا

تجلیٔ ذات کے اعتبار سے انبیاء کے درجات کا تفاوت

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم تمام رسولوں کے سردار (سید المرسلین) ہیں
علیہ و علیہم الصلوات والتسلیمات۔ باقی تمام انسانوں کا کیا سوال ہے۔

اور حضرت عیسیٰ و موسیٰ علیہما الصلوات والتسلیمات والتحیات کو، اگرچہ تجلیٔ ذات کے مقام سے بقدرِ مرتبہ و استعداد حصہ حاصل ہے چنانچہ حق تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے: وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِي (اور میں نے تمہیں اپنے نفس کے لئے منتخب فرما لیا ہے) یعنی اپنی ذات کے لئے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو "روح اللہ" اور "اس کا کلمہ" ہیں۔ اور ان کو تو سرورِ عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ بہت زیادہ مناسبت ہے۔ لیکن حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام باوجودیکہ وہ تجلیٔ صفات کے مقام میں ہیں، لیکن بڑے تیز نظر ہیں، وہی خاص شان جو ہمارے پیغمبر کو تجلیٔ ذات کے مقام میں میسر ہوئی ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تجلیٔ صفات کے مقام میں حاصل ہوئی ہے۔ باوجود اس کے کہ دونوں میں استعداد کا تفاوت ہے۔ لہٰذا اس اعتبار سے وہ حضرت عیسیٰ اور موسیٰ علیہما الصلوٰۃ والسلام سے افضل ہو جاتے ہیں۔ اور حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) حضرت موسیٰ (علیہ السلام) سے افضل ہیں اور ان کا رتبہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) سے اوپر ہے۔ وہ تیز بصر اور ناقد نظر ہیں۔ ان کے بعد حضرت نوح علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ اور حضرت نوح (علیہ السلام) کا مقام اگرچہ صفات کے مقام میں حضرت ابراہیم (علیہ السلام) سے بہت اونچا ہے لیکن حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کو اس مقام میں ایک خاص شان اور تیزیٔ نظر حاصل ہے جو کسی دوسرے کو نصیب نہیں ہے۔ لیکن ان کی اولادِ کرام کو بھی اس مقام میں بوجہ پیروی کرنے اور

ص۱۳

اولاد ہونے کے حصہ ملاہے۔ اور حضرت آدم (علیہ السلام) کا درجہ حضرت نوح (علیہ السلام) کے بعد ہے۔ ہمارے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اور تمام انبیاء (علیہم السلام) پر درودیں اور سلام ہوں۔ یہ ان معلومات میں سے ہے جو مجھے میرے رب نے سکھائی ہیں اور جن کا اس نے مجھ پر اپنے فضل و کرم سے الہام فرمایا ہے۔ اور پورا علم تو اللہ سبحانہ کے پاس ہی ہے۔

۵۳۔ منہا

سیر تفصیلی سیر اجمالی کا درجہ سے بلند ہے

جس تک کی سیر اسماء و صفات کی تفصیل میں واقع ہوگئی اس کے لئے بارگاہِ ذات جل سلطانہ تک رسائی کی راہ بند ہوگئی۔ کیونکہ اسماء و صفات کی تو کوئی انتہا ہی نہیں کہ ان کو قطع کرنے کے بعد سالک منتہائے مقصود تک پہنچ سکے۔ مشائخ نے اسی مقام کے متعلق بتایا ہے کہ مراتبِ وصول کی کوئی انتہا نہیں ہے کیونکہ محبوب کے کمالات لا متناہی ہیں۔ اور اس جگہ وصول سے مراد وصلِ اسمائی وصفاتی ہی ہے۔ سعادت مند وہی سالک ہے جس کی سیر اسماء وصفات میں اجمالی طریقہ پر واقع ہو۔ اور وہ تیزی کے ساتھ بارگاہِ ذات تعالیٰ وتقدس میں واصل ہو جائے۔

وصولِ نہایت کے بعد رجوع لازم ہے

واصلانِ ذات کو آخری نقطۂ وصول (یعنی نہایت النہایت) تک پہنچنے کے بعد دعوت وارشاد کے ساتھ واپس آنا لازمی ہے۔ اس مقام سے لوٹنے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔۔۔ ان متوسط حضرات کے برخلاف ہے جنھیں اپنی استعداد کی انتہا تک ———

پہنچ جانے کے بعد واپس آنا لازمی نہیں ہوتا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ واپس آجائیں اور (یہ بھی) ہو سکتا ہے کہ وہ وہیں قیام کرنا قبول کر لیں۔ لہٰذا منتہی حضرات کے وصول کے مراتب کے لئے تو تکمیل و تمام کا تصور کیا جا سکتا ہے بلکہ لازم ہے لیکن متوسط حضرات کے لئے جو اسمائی اور صفاتی تفصیل میں چلے گئے ہیں (وصول کے مراتب کی) کوئی انتہا نہیں ہے (کہ وہاں پہنچ کر وہ تکمیل حاصل کر سکیں)۔ یہ علم ان مخصوص علوم میں سے ہے جو خاص اس فقیر[۱۲] کو عطا ہوئے ہیں اور صحیح علم تو اللہ سبحانہٗ کے پاس ہی ہے۔

۵۴ - منہا

مقامِ رضا کی برتری | مقام رضا تمام مقاماتِ ولایت سے اوپر ہے اور اس بلند مقام کا حصول، سلوک اور جذبہ کی تکمیل کے بعد ہوتا ہے۔

سوال: اگر لوگ دریافت کریں کہ ذاتِ حق سبحانہٗ اور صفات حق تعالیٰ اور افعالِ حق سبحانہٗ سے رضا واجب ہے اور خود ایمان ہی میں محدود ہے۔ لہٰذا عام مسلمانوں کو بھی اس سے چارہ نہیں ہے۔ تو سلوک و جذبہ کی تکمیل کے بعد اس کا حاصل ہونا کیا معنی رکھتا ہے؟

جواب: اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ رضا کی ایک صورت ہوتی ہے اور ایک حقیقت ہوتی ہے اسی طرح جیسا کہ باقی ارکانِ ایمان کی صورت اور حقیقت ہوا کرتی ہے۔ ابتدائی حالت میں صورت کا تحقق ہوتا ہے اور انتہا میں حقیقت کا تحقق ہوتا ہے۔ جب آدمی سے کوئی بات رضا کے خلاف ظاہر ہو تو ظاہرِ شریعت فیصلہ کر دیتی ہے کہ اس شخص کو

رضا حاصل ہے، تصدیقِ قلبی کی طرح کہ جب تصدیق کے منافی کوئی بات نہ پائی جائے تو حصولِ تصدیق کا فیصلہ کر دیتے ہیں لیکن ہم (سالکین و عارفین) جس چیز کے درپے ہیں وہ حقیقتِ رضا کا حصول ہے۔ محض صورت کا نہیں۔ ورنہ تو یہ نسبت زیادہ جانے والا ہے۔

۵۵- منہا

ترغیب اتباعِ سنت و احتراز از بدعت کوشش کرنی چاہیے کہ سنت پر عمل کرنا اور بدعت سے بچنا میسر ہو خصوصاً ایسی بدعت سے جو سنت کو ختم کر دینے والی ہو۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مَنْ اَحْدَثَ فِیْ دِیْنِنَا ھٰذَا فَھُوَ رَدٌّ (یعنی جو شخص ہمارے اس دین میں کوئی نئی بات داخل کرے تو وہ قابلِ رد ہے)۔ ایسی جماعت کے حال پر تعجب ہوتا ہے جو کہ دین میں نئی نئی چیزیں داخل کرتے ہیں باوجودیکہ دین ہر طرح مکمل ہو چکا اور وہ پایۂ تکمیل کو پہنچ چکا ہے۔ وہ ان نئی داخل کی ہوئی چیزوں (محدثات) کے ذریعے تکمیلِ دین کی تلاش کرتے ہیں۔ انھیں یہ اندیشہ نہیں ہوتا کہ خدانخواستہ اس ایجاد (مخترع) بات کی وجہ سے کہیں سنت کی نفی (ختم) نہ ہو جائے۔ مثلاً عمامہ کا شملہ دونوں بازوؤں کے درمیان چھوڑنا سنت ہے۔ لیکن بہت سے لوگوں نے شملہ کو بائیں طرف چھوڑنا اختیار کر لیا ہے اور اپنے اس عمل سے انھیں مُردوں کے ساتھ تشبّہ (مشابہت) اختیار کرنا منظور ہوتا ہے۔ اور بے شمار لوگ اس فعل میں ان کی پیروی کر رہے ہیں۔ وہ اتنا نہیں سمجھتے کہ اُن کا یہ عمل

ف ۸۵

سنت کی نفی کررہا ہے، اور سنت سے ہٹا کر انھیں بدعت میں مبتلا کررہا ہے اور بالآخر حرمت تک پہنچا دیتا ہے۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تشبہ (مشابہت) اختیار کرنا بہتر ہے یا مُردوں کے ساتھ؟ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہی تو ہیں جو ایسی موت سے مشرف ہو چکے ہیں جو موت سے بھی پہلے آئی ہے اگر وہ لوگ مُردہ کے ساتھ ہی تشبہ کے متلاشی ہیں تب بھی ان کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تشبہ ہی سزاوار ہو سکتا ہے۔ عجیب معاملہ ہے کہ میت کے کفن میں خود عمامہ پہنانا بھی بدعت ہے چہ جائیکہ اس کا شملہ چھوڑا جائے اور بعض علمائے متاخرین نے جو میت کے کفن میں عمامہ دینے کو، جبکہ میت علمائے دین میں سے ہو، مستحسن قرار دیا ہے فقیر کے نزدیک تو کفن کی مسنون مقدار میں زیادتی کرنا نسخ یعنی سنت کو بدلنا ہے اور اصل سنت کو بدلنے کا مطلب سنت کو چھوڑ دینا ہے۔

اللہ سبحانہ ہمیں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بلند سنت کی پیروی پر ثابت قدم رکھے۔ علی مصدرہا الصلوٰۃ والسلام۔ اور خدائے تعالیٰ اس بندہ پر اپنا رحم فرمائے جو میری اس دعا پر آمین کہے۔

۵۶ ۔ منہا

جنّات کے حالات ایک دن جنّات کے حالات کو اس فقیر پر منکشف فرمایا گیا۔ اس فقیر نے دیکھا کہ جنّات گلی کوچوں میں انسانوں ہی کی طرح گھوم پھر رہے ہیں۔ اور ہر جن کے سر پر ایک فرشتہ مقرر ہے۔ اور وہ جن اس مقررہ فرشتہ کے ڈر سے اپنا سر بھی نہیں اٹھا سکتا۔ اور اپنے دائیں بائیں

دیکھ بھی نہیں سکتا۔ وہ مقید اور محبوس (قیدیوں) کی طرح پر گھوم رہے تھے اور قطعاً کسی مخالفت کی مجال نہیں رکھتے تھے بجز اس کے کہ میرا پروردگار ہی کسی چیز کو چاہے۔ اور اس وقت مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مؤکل (مقررہ فرشتہ) کے ہاتھ میں لوہے کا ایک گُرز ہے کہ اگر وہ اس جن کو ذرا سی مخالفت کا بھی احساس کرے تو ایک ہی ضرب سے اس کا کام تمام کر دے ؎

خدائے کہ بالا و پست آفرید زبردست ہر زیر دست آفرید

(ترجمہ)

خدا نے بنایا ہے بالا و پست زبردست بالائے ہر زیر دست

۵۷ ۔ منہا

ولی کو نبی پر جزئی فضیلت کا [ملنا] جو کہاں بھی حاصل کرتا ہے اور جس درجہ تک بھی پہنچا ہے وہ اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیروی کے طفیل میں پہنچتا ہے۔ اگر نبی کی متابعت اور پیروی نہ ہوتی تو خود ایمان بھی حاصل نہ ہوتا۔ بلند ترین درجات تک راہ تو کہاں کھل سکتی تھی ہیں اگر ولی کو جزئی فضیلتوں میں سے کوئی ایسی فضیلت حاصل ہو جائے جو نبی کو حاصل نہیں تھی، یا اسے بلند درجات میں سے کوئی خاص درجہ میسر ہو جسے جو نبی کو میسر نہیں تھا، تو یقیناً نبی کو بھی اس جزئی فضیلت اور اس خاص درجہ سے پورا پورا حصہ حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ ولی میں اس کمال کا حصول اس نبی کی پیروی ہی کے واسطہ سے ہے اور یہ سب کچھ اس نبی کی اتباعِ سنت کے نتائج ہی کا ایک نتیجہ ہے۔ پس لا محالہ نبی کو اس کمال سے مکمل حصہ حاصل ہوگا۔ جیسا کہ حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے

"مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهُ أَجْرُهَا وَأَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا" (جس
کسی نے کسی اچھے طریقے کی بنیاد رکھدی تو اسے خود اس کا ثواب بھی ملے گا اور
ان لوگوں کے برابر بھی ثواب ملے گا جو اس طریقے پر عمل کریں گے)۔ البتہ ولی اس کمال
کے حصول میں پیشرو ہوگا اور اس درجے تک پہنچنے میں مقدم ہوگا۔ اور ولی کی
نبی پر اس قسم کی فضیلت حاصل ہونے کو علماء نے جائز قرار دیا ہے کیونکہ
یہ جزئی فضیلت ہے جسے کلی فضیلت کا مقابلہ کرنے کی مجال نہیں ہے
اور وہ جو صاحب فصوص الحکم[1] نے فرمایا ہے کہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم
علوم و معارف کو خاتم الولایت سے حاصل فرماتے ہیں، تو وہ بھی اسی معرفت
کی طرف راجع ہے۔ کیونکہ اس فقیر کو اس معرفت کے ساتھ مشرف فرمایا گیا ہے
اور یہ سراسر شریعت کے موافق ہے اور فصوص کے شارحوں نے جو اس بات کو
صحیح قرار دینے کے لئے تکلف اختیار کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ خاتم ولایت دراصل
خاتم النبوت کا خزینہ دار و خزانچی ہوتا ہے۔ اگر بادشاہ خود اپنے خزانے سے
کوئی چیز لیتا ہے تو (ظاہر ہے کہ خزانچی ہی سے لے گا) اس سے بادشاہ
کے مرتبہ میں کوئی نقص لازم نہیں آتا، اس تکلف کی ضرورت نہیں ہے۔

---

[1] حضرت شیخ محی الدین محمد بن علی بن عربی قدس سرہ، رمضان ۵۶۰ھ میں اندلس کے مشہور شہر
مرسیہ میں پیدا ہوئے۔ ۲۲ ربیع الآخر ۶۳۸ھ کو دمشق میں وفات پائی۔ علوم ظاہری و باطنی میں
کمال حاصل تھا اور فلسفہ اور تصوف کے ماہر تھے۔ آپ نے وحدت وجود کی طرح کو پیش کیا جس
کی کنہ و حقیقت کو بہت ہی کم لوگ سمجھ سکے۔ نہ سمجھنے کی وجہ سے کافی غلط فہمیاں پیدا ہو گئیں تب حضرت مجدد
الف ثانی قدس سرہ نے وحدت شہودی کا نظریہ پیش کر کے صاف اور واضح کیا۔ حضرت شیخ کی
تصانیف بہت ہیں ان میں فصوص الحکم اور فتوحات مکیہ مشہور و اہم ہیں

حقیقتِ واقعہ وہی ہے جو میں نے تحقیق کرکے بیان کردی ہے۔ اور اس تکلف کا منشا محض یہ ہے کہ وہ لوگ معاملہ کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکے۔ اور اللہ سبحانہٗ تمام حقائقِ امور کو سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔ اور درود و سلام ہو سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل اطہر پر۔

۵۸ - منہا

ولی کی ولایت نبی کی ولایت ہی کا حصہ ہوتی ہے ولی کی ولایت اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ و السلام کے اجزائے ولایت کا ایک حصہ ہے۔ ولی کو کتنے ہی بلند ترین درجات نصیب ہو جائیں وہ سب درجات، اس نبی کے اجزائے درجات میں سے ایک جزو ہی ہوں گے۔ جزو کتنی ہی عظمت پیدا کرلے کل سے کمتر ہی ہوگا۔ کیونکہ اَلْکُلُّ اَعْظَمُ مِنَ الْجُزْءِ (یعنی کل جزسے بڑا ہوتا ہے) قضیہ بدیہیہ ہے۔ کوئی احمق ہی ہوگا جو کسی جزو کی بڑائی کا خیال کرکے اسے کل سے زیادہ جانے۔ کیونکہ کل کے معنی ہی یہ ہیں کہ دوسرے اجزاء کے علاوہ اس میں یہ جزو بھی موجود ہے۔

۵۹ - منہا

صفاتِ باری تعالیٰ کی تین قسمیں صفتِ واجبی، تعالت و تقدست، تین قسم کی ہیں۔ قسم اول، صفاتِ اضافیہ ہیں جیسے خالق ہونا، رازق ہونا۔ اور قسم دوم صفاتِ حقیقیہ ہیں، لیکن وہ اپنے اندر اضافت کا ایک رنگ رکھتی ہیں جیسے علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر اور کلام۔ اور قسم سوم، حقیقتِ محض ہے، جیسے حیات۔ پس اس میں اضافت کا کوئی امتزاج

نہیں ہے، اور اضافت سے ہماری مراد عالم یعنی دنیا کے ساتھ تعلق ہونا ہے۔ اور تیسری قسم تینوں قسموں میں سب سے اعلیٰ اور تمام اقسام کی جامع ہے اور امہات صفات میں سے ہے۔ صفت علم ہی جمعیت کے باوجود صفتِ حیات کی تابع ہے اور صفات اور شیونات کا یہ دائرہ صفتِ حیات پر ختم ہو جاتا ہے اور مطلوب تک رسائی حاصل کرنے کا دروازہ بھی یہی صفت ہے۔ اور چونکہ صفتِ حیات کا درجہ صفتِ علم سے اوپر ہے۔ اس لئے لامحالہ اس مقام تک رسائی بھی علم کے مراتب کو طے کر لینے کے بعد ہی ہوگی خواہ وہ علم ظاہر ہو یا علم باطن، خواہ علم شریعت ہو یا علم طریقت۔ اور وہ لوگ جو اس دروازہ میں داخل ہوتے ہیں وہ بہت ہی کم سے بھی کم تر ہیں۔ جھروکوں اور کوچوں کے پیچھے سے لوگ اپنی نگاہیں اندر ڈال لیتے ہیں (خود اندر نہیں پہنچ سکتے) اور ایسے لوگ بھی بہت ہی کم ہیں۔ گر میں اس مقام کے اسرار میں سے کوئی راز بھی بیان کروں تو گردن اڑادی جائے ؎

وَمِنْ تَعَبِ هٰذَا الْحَدِيْثِ صِفَاتُهٗ
وَمَا كَتْمُهٗ اَحْظٰى لَدَيْهِ وَاَجْمَلُ

(ترجمہ) بیان کرنا ہی ان اسرار کا مشکل مگر اب ہے
چھپانا ان رموز خاص کا اچھا ہے انسب ہے

اور سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کو لازم جانے علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام۔

۶۰ ۔ منہا

خدا کا مثل نہیں ہو سکتا: حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ "مثل" سے منزہ ہے۔ مثال ہو سکتی ہے۔ لَیْسَ کَمِثْلِهِ شَیْءٌ (اس کے مثل کوئی چیز بھی نہیں ہے) لیکن علماء نے "مثال" اور "مثل" کو جائز رکھا ہے۔ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی (اور اللہ کے لئے تو بلند ترین مثال ہے، یا اللہ کی تو بلند ترین شان ہے)۔ ارباب سلوک اور اصحاب کشوف کو مثال ہی سے تسلی دیتے ہیں، اور خیال سے آرام بخشتے ہیں۔ بے چون کو، چون کی مثال سے ظاہر کرتے ہیں۔ وجوب ذات واجب کو امکان کی صورت میں جلوہ گر کرتے ہیں۔ سالک، مثال کو صاحب مثال کا عین سمجھ لیتا ہے اور صورت کو صاحب صورت کا عین خیال کر لیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ حق سبحانہ وتعالیٰ کے احاطہ کی صورت کو تمام چیزوں میں دیکھتا ہے اور اسی احاطہ کی مثال کا تمام دنیا میں مشاہدہ کرتا ہے۔ اور وہ خیال کر لیتا ہے کہ جو چیز نظر آ رہی ہے وہ احاطۂ حق سبحانہ کی حقیقت ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ حق تعالیٰ کا احاطہ بے چون اور بیچگون ہے، اور اس سے منزہ و پاک ہے کہ وہ شہود (مشاہدہ) میں آسکے اور کسی پر ظاہر ہو جائے۔ اور ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں کہ حق سبحانہ ہر چیز کو محیط ہے لیکن ہم اُس کے اس احاطہ کو نہیں جانتے کہ وہ کیا ہے؟ اور جو کچھ ہم جانتے ہیں وہ اس احاطہ کی شبیہ اور مثال ہے۔ اور حق تعالیٰ کے قرب اور اس کی معیت کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہئے، کہ جو کچھ مشاہدہ اور

کشف میں آتا ہے وہ ان کی شبیہ اور مثال ہے اُس کی حقیقت نہیں ہے۔ بلکہ ان تمام باتوں کی حقیقت کی کیفیت نامعلوم ہے۔ ہم اس پر ایمان لاتے ہیں کہ حق تعالیٰ قریب ہے اور ہمارے ساتھ ہے لیکن ہم یہ نہیں جانتے کہ حق تعالیٰ کے اس قُرب اور معیّت کی حقیقت کیا ہے؟۔ اور بہت ممکن ہے کہ جو کچھ حدیثِ نبوی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات میں آیا ہے کہ "تجلّی ربّنا ضاحکًا" (یعنی ہمارا پروردگار ہنستے ہوئے تجلی فرمائیگا) ۵۸ وہ صورتِ مثالی کے اعتبار سے ہو۔ کیونکہ کمالِ رضا و خوشنودی کا حاصل ہونا مثال میں ہنسنے کی صورت میں ہی دکھایا جاتا ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ ہاتھ، چہرہ، قدم اور انگلی کا اطلاق بھی مثالی صورت کے اعتبار سے ہی ہو — میرے پروردگار نے مجھے ایسی ہی تعلیم دی ہے۔ اور خدا اپنی رحمت کے ساتھ جسے چاہتا ہے مخصوص فرما لیتا ہے، واللہ بڑے فضل والا ہے۔ اور اللہ کی رحمتیں نازل ہوں ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور آپ کی آل پر اور سلامتیاں اور برکتیں بھی نازل ہوں۔

۶۱ - منہا

تنبیہ: احوال، وجدانات اور علوم و معارف کو بیان کرنے کے سلسلہ میں اگر اس راقم کی عبارت میں کوئی تناقض یا اختلاف معلوم ہو تو اُسے اوقات کے مختلف ہونے اور حالات و کیفیات کے جداگانہ ہونے پر محمول کرنا چاہیے۔ کیونکہ ہر وقت کے احوال اور وجدانات مختلف ہوتے ہیں۔ اور ہر حالت و کیفیت کے علوم و معارف جداگانہ ہوتے ہیں۔ لہٰذا

درحقیقت یہ کوئی تعارض یا اختلاف نہیں ہوتا۔ اس کی مثال احکامِ شرعیہ کی مثال کی طرح ہے کہ وہ منسوخ اور تبدیل ہونے کے بعد متضاد احکام نظر آتے ہیں۔ لیکن جب اوقات اور حالات کے اختلاف کو نظر میں رکھا جاتا ہے تو وہ تناقض اور اختلاف رفع ہو جاتا ہے۔ اور اس میں اللہ تعالیٰ سبحانہ کی بڑی حکمتیں اور مصلحتیں ہیں۔ لہٰذا تم شک کرنے والوں میں سے نہ ہو۔ اور اللہ تعالیٰ رحمتیں نازل فرمائے ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کی آل پر اور سلامتیاں اور برکتیں بھی نازل فرمائے۔

ان عجیب و غریب اور بلند نکات کا جامع، بندۂ ضعیف محمد صدیق بدخشی الکشمی الملقب بالھدایۃ کہتا ہے کہ ان معارف عالیہ شریفہ کی تسوید سے جس کا نام "المبدأ والمعاد" ہے، اواخر ماہ رمضان المبارک میں اعتکاف کے وقت سنہ ایک ہزار انیس (۱۰۱۹ھ) میں فراغت حاصل ہوئی۔

رُباعی

این نسخہ کہ مبدأ و معاد است بنام	ز انفاسِ نفیس حضرتِ فخرِ کرام
چون کرد ہدایت اقتباس از سرِ صدق	در سالِ ہزار و نوزدہ گشت تمام

(یعنی یہ نسخہ کہ جس کا نام مبدأ و معاد ہے، حضرت فخرِ کرام (مجدد الف ثانی قدس سرہٗ) کے فرمودات سے ہے۔ جب ہدایت (لقب جامع) نے اسے صدق و صفا کی راہ سے اقتباس کیا تو وہ سنہ ایک ہزار اور انیس میں مکمل ہو گیا۔)

صدیقِ ہدایت کہ شد از چرخ بکام　　　ما ماکہ ز صدقِ خود ہدایت فرجام

زیں خود چہ عجب ولیک تحقیق این است　　　کز جوشِ شرابِ احمدی یافتہ جام

(یعنی، صدیقِ ہدایت کہ تقدیر ہی جس کی ہمنوا تھی، بالفرض وہ سچائی کی وجہ سے ہدایت فرجام ہوگیا۔ اور یہ خود کتنا عجیب ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ شرابِ احمدی کے جوش سے جام حاصل ہوا ہے۔)

اشاریہ

تمت

ادارہ مجددیہ کی جملہ مطبوعات

اثبات النبوۃ	گلدستہ مناجات
انوار معصومیہ	مبدأ و معاد
تبلیغیہ	معارف لدنیہ
حضرت مجدد الف ثانیؒ	معجم القرآن
حیاتِ سعیدیہ	مقامات زواریہ
ریڈیو تقاریر	مکتوبات حضرت مجددؒ فارسی
زبدۃ الفقہ کامل	مکتوبات حضرت مجددؒ اردو ترجمہ
شرح رباعیات	مکتوبات معصومیہ فارسی
طریقہ ختم اور دعائیں	مکتوبات معصومیہ اردو ترجمہ
عمدۃ السلوک	مکاشفات عینیہ مجددیہ
عمدۃ الفقہ کامل	ہدایت الطالبین